وَاَنزلنا اِلیک الذِّکر لِتُبیّن لِلنّاس مَا نُزِّلَ اِلَیھم

سہ ماہی

البیان

کراچی

شمارہ نمبر 1 اگست تا اکتوبر 2011 رمضان تا ذوالقعدہ 1432

المدینۃ اسلامک ریسرچ سینٹر میدانِ عمل میں ایک نیا قدم

منہجِ سلف اور عقلانیت

سودی نظام اور اسلامی بینکاری

روزوں کے اہم اور نادر مسائل

رمضان کریم



مجلس البحث العلمي

AL-MADINA ISLAMIC RESEARCH CENTER

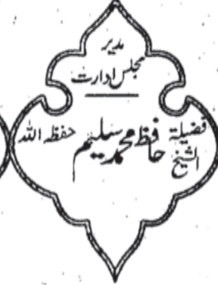
وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

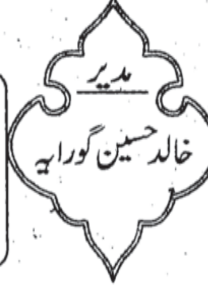
سہ ماہی البیان کراچی

شمارہ نمبر1 اگست تا اکتوبر 2011 / رمضان تا ذو القعدہ 1432









زر سالانہ: 160 روپے
فی شمارہ: 40 روپے

پتہ

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
مسجد سعد بن أبی وقاص ڈیفنس فیز 4
11 کمرشل اسٹریٹ، نزد شار شہید پارک
وگذری پولیس اسٹیشن کراچی

WEBSITE:
WWW.ISLAMFORT.COM
E-MAIL:
info@islamfort.com
khalidgoraya1@hotmail.com

فہرست مضامین

اداریہ

- المدینہ اسلامک سینٹر کا تعارف، سرگرمیاں، منصوبہ جات | خالد حسین گورایہ | 3
- حدیث ابن عباس اور موجودہ حالات | حافظ محمد سلیم | 12

عقیدہ و منہج

- منہج سلف اور عقلانیت | علامہ بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ | 16

علوم القرآن

- قرآن کریم کا تعارف | عثمان صفدر | 26

حجیت حدیث

- انکارِ حدیث سے انکارِ دین تک | حافظ محمد سلیم | 58

احکام و مسائل

- ماہِ رمضان اور روزہ "فضائل، احکام و مسائل" | محمد حماد امین چاولہ | 75

جدید فقہی مسائل

- سود اور اسلامی بینکاری کا علمی جائزہ | ڈاکٹر عبد الرشید اظہر حفظہ اللہ | 125

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
(مرکز المدینة العلمي لخدمة الکتاب والسنة)
تعارف، سرگرمیاں، اور منصوبہ جات پر ایک نظر

خالد حسین گورایہ

مرکز المدینة العلمی لخدمة الکتاب والسنة (المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر) کی تاسیس جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے آنے والے علماء کی سوچ وفکر کا عملی نتیجہ ہے، جو کہ چند ایک مجالس کے بعد تصوراتی وتخیلاتی دنیا سے نکل کر قرطاس پر ایک مستقل اور طویل المیعاد منصوبہ جات کی صورت میں رونما ہوا، اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ۴۵ ویں بیچ کی فراغت کے بعد کراچی پہنچنے پر اس پروجیکٹ پر مستقل عملی کام کا آغاز کردیا گیا۔ لہذا مؤرخہ (10 اکتوبر 2010ء) کو ادارے کی مستقل داغ بیل ڈال دی گئی۔

مرکز المدینہ العلمی ایک خالصتاً سلفی کتاب وسنت کے منہج کا حامل ادارہ ہے، جس کے تحت کام کرنے والے تمام مشاریع میں خالصتاً کتاب وسنت کے مطابق لائحہ عمل ترتیب دیا جاتا ہے۔

مرکز المدینہ العلمی کے قیام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے آنے والے طلباء وعلماء کو ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا جاسکے جہاں سے وہ اجتماعی نظم کے تحت اپنی اپنی صلاحیتوں کو متعارف کراسکیں اور معیشت کی پیچیدگیوں سے بے فکر ہوکر ایک اجتماعی تعلیمی وتربیتی ماحول میں اپنی توجہ خدمت دین پر مرکوز رکھیں۔

مرکز کے قیام کے چند اسباب

الحمد للہ ہمیں فخر ہے کہ مخلص ومصلح علماء کرام واحباب گرامی اپنی اپنی طاقت ووسعت

کے مطابق مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کتاب وسنت کا بول بالا کئے ہوئے ہیں۔ مگر آبادی کا پھیلاؤ دیکھا جائے، اور پھر دیگر باطل اور بدعتی نظریات کی دعوت کی ترویج کے تناسب کو دیکھا جائے تو اس کے مقابلے میں اہل حق کی دعوت کا پھیلاؤ بہت کم نظر آتا ہے اور یوں کہا جاسکتا ہے کہ طلب زیادہ ہے رصد کم ہے۔ اسی طرح جب مختلف شعبہ ہائے زندگی کو دیکھیں تو ہمیں بعض ایسے شعبے نظر آئیں گے جن میں خالص کتاب وسنت کی دعوت کی عمل داری تقریباناپید ہے بالخصوص ہمارے پاکستان کی سرزمین پر۔ دوسری طرف اگر یہ دیکھا جائے کہ جامعہ اسلامیہ ایک ایسا عالمی ادارہ ہے جس کے فارغ التحصیل طلباء نے دنیا بھر میں تعمیری اور دعوتی کردار کی مثالیں پیش کی ہیں۔ اور آج دنیا کے کونے کونے میں جامعہ اسلامیہ کے فارغ التحصیل طلاب العلم اپنی وسعت واستطاعت کے مطابق دعوت واصلاح کا کام سرانجام دے رہے ہیں ۔ ہمارے ملک میں بھی الحمد للہ جامعہ اسلامیہ ودیگر سعودی جامعات کے فارغ التحصیل طلباء کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے مگر فراغت کے تناسب کو دیکھا جائے اور پھر ان طلباء کے بعد میں معاشرے میں کردار کو دیکھا جائے وہ نشاط میں نظر نہیں آتا جیسا کہ آنا چاہئے۔ حالانکہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فراغت پانے والے دیگر ممالک کے طلباء کے مقابلے میں پاکستان کے طلباء سب سے زیادہ ہیں جبکہ بالخصوص اپنے ملک میں ان طلباء کی دعوتی سرگرمیاں قدرے محدود ہیں اس کی چند ایک وجوہات میں سے جو وجوہات ہمارے سامنے آئیں وہ بنیادی طور پر چار ہیں۔

۱۔ منصوبہ بندی اور رہنمائی کا فقدان۔ ۲۔ شخصی ودعوتی وسائل کی کمی۔ ۳۔ ملک میں موجود مختلف تنظیموں سے منسلک ہو کر ان کے مفادات کو تحفظ دینا۔ ۴۔ انفرادی کام کو اجتماعی کام پر ترجیح دینا۔

یہ چوتھی وجہ وہ کلیدی اور بنیادی وجہ ہے جس کے سبب دعوتِ حق کا کماحقہ اثر اور ہماری آواز مضبوطی سے اٹھ نہیں پارہی اور اہل باطل ہر طرف دندناتے پھر رہے ہیں قرآن وحدیث

کی تعلیمات سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ کتاب وسنت میں اجتماعیت اور اعتصام پر کتنا زور دیا گیا ہے۔ اس لئے انفرادی کام عمومی طور پر ایک تو طویل المیعاد ہوتے ہیں پھر ایک فرد ہر فن مولا بھی نہیں ہوتا کہ وہ ہر کام انجام دے سکے اس لئے اس کی محنت کے ثمرات جلد اور مؤثر طریقے سے بر آور نہیں ہوتے۔ جبکہ یہی کام جامعات سعودیہ کے فارغ التحصیل طلباء اجتماعی شکل میں ایک ادارے کے تحت کریں تو اس کے فوائد کے حصول کا تناسب انفرادی کام کے مقابلے میں کہیں زیادہ اور مؤثر ہوگا۔ اسی نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ بالا اسباب کے ازالے کی سعی کیلئے **مرکز المدینة العلمی لخدمة الکتاب والسنة** کی بنیاد رکھی گئی۔ تاکہ سندھ کی سطح پر جامعہ اسلامیہ سے فارغ ہونے والے طلباء میں جو اہلیت و قابلیت کے حامل ہیں انہیں اس ادارے سے منسلک کر کے انکی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے اور پھر ان کی شخصیت و قابلیت کے مطابق ان کی بہتر کفالت بھی کی جائے تاکہ معیشت ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ اور وہ اپنی زندگی کی گاڑی کو بہتر انداز سے چلا سکیں۔

نیز مرکز کے قیام کے چند ایک دیگر اسباب میں سے یہ بھی کہ ہمارے معاشرے کے بہت سے شعبہ جات ایسے ہیں جن میں صحیح منہج کی دعوت انتہائی کمزور ہے۔

بطور مثال ہم چند ایک شعبہ جات کا جائزہ لیتے ہیں۔

- پرنٹ میڈیا، الیکٹرونک میڈیا، اور سوشل میڈیا میں ہماری نمائندگی تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے ان ذرائع میں سے اگرچہ چند ایک مختلف فیہ ہیں مگر جن کے جواز پر اتفاق ہے ان کے استعمال پر بھی ہم نے کبھی توجہ نہیں دی۔ بطور مثال ریڈیو لے لیں ملکی یا صوبائی سطح پر صحیح کتاب وسنت کی نشریات کیلئے کوئی ریڈیو اسٹیشن نہیں۔ ڈیلی ملکی یا صوبائی سطح پر کوئی اخبار نہیں۔ چند ایک ہفت روزہ اخبارات ہیں جو عوامی ضروریات پوری کرنے کیلئے کافی نہیں۔
- یونیورسٹیز میں خالص کتاب وسنت کے حامل افراد کی نمائندگی چاہے وہ تعلیمی میدان

میں ہو یا تدریسی ابھی تک سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے۔

❁ جدید تجارتی میدان میں کردار انتہائی کم نظر آتا ہے۔ بالخصوص جدید تجارتی مسائل میں عوامی رہنمائی، ان مسائل سے متعلق کتاب وسنت کی روشنی میں صحیح موقف پیش کرنے، ان مسائل سے متعلق کتب اور دیگر لٹریچر عام کرنے، دینی مدارس میں جدید تعلیمی مسائل کی درس وتدریس کا بھی فقدان نظر آتا ہے۔

❁ معاشرتی سطح پر ہماری خدمات بھی دیگر باطل نظریات کے حاملین کے مقابلے میں انتہائی کم ہیں۔ بطور مثال لوگوں کی تالیف قلب اور ان کی مدد ومعاونت کیلئے ایسے رفاہی ادارے جو عوامی لیول پر کام کرتے ہوں ان کی کمی ہے۔ جبکہ اس وقت تمام دنیا میں عیسائی مشنری، آغاخانی ورافضی مبلغین اور سیکولر، کیمونسٹ طبقہ اس شعبہ کو استعمال کر کے خاطر خواہ نتائج حاصل کر رہا ہے۔ اور بستیوں کی بستیوں کو دین سے دور کرنے عیسائیت۔ آغاخانیت اور رافضیت میں داخل کرنے کیلئے معاشرتی خدمات کا سہارا لیا جاتا ہے۔

یہ وہ شعبہ جات ہیں جو کسی پیغام کو دوسروں تک رسائی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں مگر اہل حق کا اس میں کردار محض رمزی سا ہے۔ جبکہ اہل بدعت ان پلیٹ فارمز کو بے دریغ استعمال کر کے لوگوں کو گمراہیت کی طرف لے جا رہے ہیں۔

اہداف ومقاصد

- ✯ عصرِ حاضر میں سر اٹھانے والے نت نئے فتنوں کی بیخ کنی کرنا۔
- ✯ علمی ماحول میں نئی مفید تبدیلیاں لانا۔
- ✯ سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنا۔
- ✯ ہر اس شعبہ میں کام کو ترجیح دینا جس کی معاشرے میں انتہائی ضرورت ہے، اور اس سے قبل اس شعبہ میں دینی حوالے سے کوئی خاطر خواہ توجہ نہ رہی ہو۔
- ✯ عوامی سطح پر ہر طبقہ میں دین فہمی کو عام کرنا۔

عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق دین اسلام کی منہجِ سلف پر ترویج اور نشرواشاعت کیلئے اس ادارے کو تشکیل دیا گیا ہے جس کیلئے ادارہ کا مستقل پلان بھی جاری کر دیا گیا ہے۔

مرکز المدینۃ العلمی کے نگران اعلیٰ (المشرف العام)

فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ ہیں

نظم ونسق: ادارے کے تین مختلف بورڈز ہیں۔
مجلس علمی۔ مرکزی کابینہ۔ منتظمہ کمیٹی۔

مجلس علمی:

ادارے کی ایک مجلس علمی ہے جو کہ پاکستان کے ۷ سات کبار و نامور اہل علم پر مشتمل ہے۔ جن کا کام ادارے کے اہم تعلیمی و تحقیقی امور کی نگرانی کرنا، اور دیگر اہم امور پر علمی رہنمائی کرنا ہے۔ نیز دیگر پیچیدہ مسائل ونوازل میں مفید تحقیقات تیار کرنا ہے.

موجودہ مجلس علمی مندرجہ ذیل علماء کرام پر مشتمل ہے

(۱) فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ (سرپرست اعلیٰ)
(۲) فضیلۃ الشیخ خلیل الرحمٰن لکھوی حفظہ اللہ
(۳) فضیلۃ الشیخ حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ
(۴) فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرشید اظہر حفظہ اللہ
(۵) فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ
(۶) فضیلۃ الشیخ حافظ شریف حفظہ اللہ
(۷) فضیلۃ الشیخ ابراہیم بھٹی حفظہ اللہ

مرکزی کابینہ: یہ مرکزی کابینہ ادارے کے تحت کام کرنے والے تمام پروجیکٹس کی

نگرانی کرتی ہے اور مختلف منصوبہ جات کے نفاذ کو ممکن بناتی ہے۔ کابینہ کے متعلقہ اراکین ادارے کے خاص انتظامی امور کو سنبھالتے ہیں۔ مرکزی کابینہ کا امتیاز یہ رکھا گیا ہے کہ اس میں محض سعودی جامعہ کے فارغ التحصیل اسکالر کو اختیار کیا جاتا ہے، تاکہ ذہنی ہم آہنگی میں آسانی رہے۔ اور ادارے کے تمام ضروری کاموں کئے حوالے سے حتمی رائے اختیار کرنے اور اس پر عمل درآمد کرنا آسانی سے ممکن ہوسکے۔

ادارے کی مرکزی کابینہ میں حالیہ پانچ افراد شامل ہیں:

نام	قابلیت	مرکز میں عہدہ
سعید احمد شاہ	(فاضل مدینہ یونیورسٹی) کلیۃ الشریعۃ	رئیس المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
عثمان صفدر	(فاضل مدینہ یونیورسٹی) کلیۃ الحدیث	مدیر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
خالد حسین گورایہ	(فاضل مدینہ یونیورسٹی) کلیۃ الشریعۃ	نگران شعبہ تحقیق وتصنیف
محمد حماد امین چاؤلہ	(فاضل مدینہ یونیورسٹی) کلیۃ الشریعۃ	نگران ویب سائٹ
شعیب اعظم مدنی	(فاضل مدینہ یونیورسٹی) کلیۃ الحدیث	مدیر شعبہ تعلیم وتربیت

اس کے ساتھ ادارے کو کراچی کے مایہ ناز عالم دین "شیخ الحدیث مفتی حافظ محمد سلیم صاحب حفظہ اللہ" کی خدمات بھی حاصل ہیں جو ادارے کے تمام علمی، تحقیقی و تصنیفی کاموں کے اشراف کے ساتھ مرکز کے مفتی کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔

منتظمہ کمیٹی

ان علماء اور مخیر حضرات پر مشتمل ہے جو ادارے کے انتظامی اور مالی امور کو مشاورت سے طے کرتے ہیں اور اس کا مناسب حل پیش کرکے اس کے لئے وسائل مہیا کرتے ہیں، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

مرکز کی زیارت کرنے والے علماء کرام

کسی بھی علمی پروگرام کی زینت اہل علم حضرات ہوتے ہیں:

مرکز المدینہ العلمی کو اللہ کے فضل و کرم سے اتنی مختصر مدت میں اللہ تعالٰی نے پاکستان کے نامور اور اکابر اہل علم کے علمی دروس اور قیمتی مشوروں سے مستفید ہونے کا موقع نصیب فرمایا جو مرکز میں تشریف لائے، وہاں علمی دروس دیئے، اور مرکز کی بہتری کے حوالے سے مفید تجاویز دیں، ان میں چند ایک علماء کرام کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) فضیلۃ الشیخ عبد الحمید ازہر حفظہ اللہ
(۲) فضیلۃ الشیخ عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
(۳) فضیلۃ الشیخ عبد المنان نورپوری حفظہ اللہ
(۴) فضیلۃ الشیخ ابتسام الٰہی ظہیر حفظہ اللہ
(۵) فضیلۃ الشیخ خلیل الرحمان لکھوی حفظہ اللہ
(۶) فضیلۃ الشیخ حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ
(۷) فضیلۃ الشیخ عبد الرشید ازہر حفظہ اللہ
(۸) فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ
(۹) فضیلۃ الشیخ یوسف طیبی حفظہ اللہ
(۱۰) فضیلۃ الشیخ ابو محمد امین پشاوری حفظہ اللہ
(۱۱) فضیلۃ الشیخ محمد سلفی حفظہ اللہ
(۱۲) فضیلۃ الشیخ محمود الحسن حفظہ اللہ

و دیگر ممتاز علماء دین شامل ہیں۔

راقم کے اس تحریر لکھتے وقت آج اس ادارے کو دس ماہ کا وقت گذر چکا ہے، اس مختصر سے وقت میں اللہ تعالٰی کی مدد و توفیق سے الحمد للہ ادارے نے کافی اہم سنگ میل عبور کئے۔ جو کہ یقیناً مرکز میں کام کرنے والے احباب کی انتھک محنت و کاوش، اسکی منتظمہ کمیٹی اور علماء کرام کی مکمل دلچسپی اور خصوصی توجہ سے ممکن ہوا۔ اس مختصر سے عرصہ میں کئے جانے والے کاموں کی مختصر رپورٹ درج ذیل ہے۔

مرکز المدینہ کے تحت منعقد ہونے والے علمی پروگرامز کی تفصیل

(۱) مرکز المدینہ کی افتتاحی تقریب کا انعقاد

(۲) مقدس رسول ﷺ کانفرنس

جس میں پاکستان کی تمام اہلحدیث جماعتوں کے مندوبین اور کراچی کے تقریباً تمام علماء و مفتیان کرام نے شرکت فرما کر حرمت رسول ﷺ کے حوالے سے اہلحدیث مکتبہ فکر کی جانب سے ایک متفقہ تاریخی فتویٰ جاری کیا۔ جس کے بعد ایک پریس کانفرنس کا بھی اہتمام کیا گیا جہاں یہ فتویٰ پڑھ کر سنایا گیا اور اسے ملک کے معروف جرائد نے نشر اور ٹیلی ویژن چینلز نے خصوصی کوریج دی۔

(۳) ایک سالہ ڈپلومہ کورس کا آغاز

جسکے اہم مقاصد درج ذیل ہیں:

- تجارتی اور تعلیمی و دیگر اہم فیلڈز میں موجود افراد کی دینی رہنمائی۔
- تجارتی اور تعلیمی فیلڈ میں موجود اہلحدیث افراد سے رابطہ۔
- جدید مسائل کے حوالہ سے نوجوانوں اور ذمہ دار افراد میں شعور بیدار کرنا۔
- عوامی سطح پر علم دین کو عام کرنا۔

(۴) سہ ماہی علمی و تحقیقی مجلہ کا اجراء

(۵) ویب سائٹ کا قیام

(۳) مسجد سعد بن ابی وقاص میں مختلف علمی و تحقیقی دروس

شیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ، ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ، پروفیسر ابراہیم بھٹی حفظہ اللہ و دیگر علماء کرام کے دروس کا انعقاد کیا جا چکا ہے۔

(۴) ماہ رمضان میں تفسیر، عقیدہ، اور دیگر اہم موضوعات پر لیکچرز۔

(۵) جمعہ کے خطبات اور ہفتہ وار دروس کا سلسلہ۔

مرکزالمدینہ کے حالیہ اور مستقبل کے منصوبہ جات

مرکزالمدینہ العلمی کے مستقبل میں بہت سے منصوبہ جات ہیں جن میں سے چند ایک پر کام کا آغاز کردیا گیا ہے جبکہ دیگر پر مستقبل قریب میں انشاءاللہ کام شروع کردیا جائے گا۔

شعبہ جات	حالیہ سرگرمیاں	مستقبل کے منصوبہ جات
ویب سائیٹ	(1) آن لائن مکتبہ (2) آن لائن آڈیو لائبریری (3) آن لائن فتوی (4) مسجد نبوی اور مسجد الحرام کے خطبات کے تراجم	(1) آن لائن کتب لائبریری میں تیز رفتار اضافہ (2) آن لائن ویڈیو لائبریری (3) آن لائن کورسز
شعبہ تعلیم وتربیت	(1) ایک سالہ فہم دین ڈپلومہ کورس الحمدللہ سال کے تین سمسٹر میں سے دو سمیسٹر کامیابی سے مکمل ہو چکے ہیں (2) سمر کورسز اسکول وکالجز کے طلبہ کے لئے تعلیم و تربیت کا اہتمام دوستانہ ماحول میں	(1) ڈپلومہ کورس کی مزید برانچز کا قیام (2) خواتین کیلئے ڈپلومہ کورس کا اہتمام (3) مدارس سے فارغ التحصیل طلبہ کے لئے دینی و دنیاوی علوم میں تخصص
دار الافتاء	تحریری اور آن لائن فتویٰ کی سہولت	پاکستان کے نامور علماء کرام سے جدید اور اہم مسائل میں فتاوی کا حصول
مجلس البحث العلمی (ریسرچ کونسل)	(1) دفاع حدیث پر ایک جامع اور شامل انسائیکلوپیڈیا (2) سہ ماہی علمی و تحقیقی مجلہ کا اجراء	(1) مسئلہ توہین رسالت پر ایک تحقیقی و تفصیلی کتاب (2) حج کی تربیتی کلاسز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور موجودہ حالات

(فضیلۃ الشیخ حافظ سلیم حفظہ اللہ)

یہ بات اٹل حقیقت ہے کہ اس وقت مسلمانان عالم جس قدر پریشان، مجبور ہیں مقہور ہیں اجتماعی سطح پر بھی اور انفرادی سطح پر بھی الا ماشاء اللہ، داخلی سطح پر بھی اور بیرونی طور پر بھی جس قدر خلفشار ہے، فتنے ہیں، چاہے لسانیت کا ہو یا قومیت کا یا مذہبی منافرت کا، قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے۔ حادثاتی طور پر اموات کا معاملہ الگ ہے، کبھی قحط سالی کے معاملات، بارش کا نہ ہونا، اغیار کا خوف اور رعب۔ اس وقت مسلمانوں کا بدترین دشمن ان پہ مسلط ہے۔

مختلف تجزیہ نگار اس پر تجزیہ لکھتے ہیں اسباب تلاش کرتے ہیں۔ پلاننگ کی جاتی ہے لیکن معاملات کنٹرول میں آنے کے بجائے مزید ابتر ہو جاتے ہیں آیئے اس کا اصل سبب ہم اللہ کے قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین سے پوچھتے ہیں ہمیں امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ جو سبب حالات کی خرابی کا قرآن وسنت میں مذکور ہوگا، وہی اصل ہوگا اور اس کی اصلاح سے بقیہ معاملات بھی صحیح ہو جائینگے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے " لن یصلح آخر هذه الأمة الا بما صلح بها أولها۔" جس کا ترجمہ: اقبال کے الفاظ میں یوں ہے۔

وہی تیری نہ بیماری وہی نہ محکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾ (الرعد:۱۱)

"اللہ تعالیٰ نے آج تک اس قوم کی حالت کو تبدیل نہیں کیا جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلے۔"

روایت میں جو موقوفاً ابن عباس سے مؤطا امام مالک میں " باب ماجاء فی الغلول " میں ہے اور طبرانی میں مرفوعاً مذکور ہے۔

مؤطا کی روایت میں پانچ گناہ کا تذکرہ ہے جس کی پاداش میں پانچ عذاب مسلط کردئے جاتے ہیں۔

"عن ابن عباس رضی الله عنهما قال "مَاظَهَرَ الْغُلُولُ فِي قَوْمٍ قَطُّ، إِلَّا أُلْقِيَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبُ، وَلَا فَشَا الزِّنَا فِي قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا كَثُرَ فِيهِمُ الْمَوْتُ، وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ، وَالْمِيزَانَ إِلَّا قُطِعَ عَنْهُمُ الرِّزْقُ، وَلَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ الْحَقِّ، إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الدَّمُ، وَلَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ إِلَّا سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْعَدُوَّ"

"عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:" جب کسی قوم میں خیانت آجائے تو اللہ تعالی ان کے دلوں میں خوف بٹھادیتا ہے، اور اگر کسی قوم میں زنا عام ہوجائے تو ان میں اموات کثرت سے ہوتی ہیں، اور اگر کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرے تو ان کا رزق ختم کردیا جاتا ہے، اور اگر کوئی قوم بغیر حق (شریعت) کے فیصلہ کرے تو ان میں خون خرابہ عام ہوجاتا ہے، اور اگر کوئی قوم بدعہدی کرے تو اللہ تعالی ان پر دشمن کو مسلط کردیتا ہے۔"

جبکہ طبرانی میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:" جو قوم زکوۃ نہیں دیتی اللہ تعالی ان سے بارش کو روک لیتا ہے"۔

محترم قارئین کرام غور سے بار بار اسی روایت کو پڑھتے جائیں اور مشاہدہ کرتے جائیں کہ کیا واقعی یہ ساری برائیاں اور خرابیاں ہم میں موجود ہیں؟؟ پھر ہم کسی اور کو موردالزام کیوں ٹھراتے ہیں؟۔ مال غنیمت میں خیانت کرنا، لوگوں کے حق پر ڈاکہ ڈالنا اگر اتنا سنگین گناہ ہے تو پھر ذرا غور کیجئے رب کریم کائنات مالک ارض وسماء کے حق کو غیروں میں تقسیم کردیا جائے۔ مزارات پر سجدے اور غیر اللہ کی نذر ونیاز کے شرک کا بازار گرم کردیا جائے تو اللہ تعالی کی رحمت کس طرح ہم پر سایہ فگن ہوگی؟ وہ ہم سے کیسے راضی ہوگا؟ اسے ہم پر کس طرح پیار آئے گا۔؟؟

گناہوں سے توبہ کیجئے جن میں سب سے سر فہرست جرم شرک ہے۔

لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا یہ اس سے کمتر جرم ہے، اس کی پاداش میں دشمنوں کا رعب داخل ہوتا ہے پھر انسان اپنے خالق ومالک سے نہیں امریکہ و برطانیہ سے ڈرتا ہے۔ کہ اگر انہوں نے مدد نہ کی تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔

پھر غور کیجئے۔ کہ رب کریم کی بغاوت اس کی حکم عدولی اور اس کی ناراضگی مول لیکر ہمیں کہیں پناہ مل سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰمَعْشَرَ ٱلْجِنِّ وَٱلْإِنسِ إِنِ ٱسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا۟ مِنْ أَقْطَارِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ فَٱنفُذُوا۟ ۚ لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَٰنٍ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الرحمن:۳۳)

"اے گروہ جنات وانسان! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو! بغیر غلبہ اور طاقت کے تم نہیں نکل سکتے۔"

بھلا ایسے شخص کو زمین پناہ دینے کیلئے تیار رہے نہ آسمان!۔

لہذا حدیث مذکورہ کی روشنی میں اپنا محاسبہ کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔:

"اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ"

"عقل مند وہ ہے جو جس نے اپنے نفس پر کنٹرول کیا اور موت کے بعد والی زندگی کے لئے عمل کئے، اور بے عقل ہے وہ شخص جس نے اپنے خواہشات نفسانی کی پیروی کی اور پھر اللہ سے امیدیں لگا کر بیٹھ جاتا ہے۔"

ہم دانا اور بینا بن کر اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کریں، ماہ رمضان اپنی تمام تر برکتوں کے ساتھ ہم پر سایہ فگن ہے، اس سے کماحقہ استفادہ کی کوشش کیجئے۔ آیئے عہد کریں کہ ہم ان تمام گناہوں کو ترک کرینگے جن کی پاداش میں بڑی بڑی وعیدیں قرآن وسنت میں وارد ہوئی ہیں۔

☜ گناہوں سے توبہ کرنے کا۔ سچی توبۃ النصوحہ۔۔۔

☜ اپنے پروردگار کو راضی کرنے کا۔ نماز پابندی سے ادا کرنے کا۔۔۔

☜ اس ماہ کی سعادتوں اور برکتوں سے مکمل فیض یاب ہونے کا اپنے رب کو راضی کرنے کا۔۔

اپنے لئے اپنے اہل وعیال کیلئے اپنے عزیز واقارب کیلئے۔ اپنے ملک کیلئے رب کریم سے عافیت کا سوال کریں ممکن ہے یہ ماہ مکرم ہماری زندگیوں میں انقلاب برپا کردے ہم خواب غفلت سے باہر آجائیں۔ وگرنہ باری تعالیٰ کا فرمان اپنی جگہ مبنی بر صداقت ہے۔

﴿وَمَا ظَلَمْنَٰهُمْ وَلَٰكِن كَانُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾﴾ (النحل:۱۱۸)

”ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔“

وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

منہج سلف اور عقلانیت

صحیح بخاری کی "کتاب التوحید" کی تشریح وتوضیح

شیخ العرب والعجم علامہ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ

(قسط:۱)

مقدمہ

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريک له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله

اللهمّ صلّ على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل ابراهيم إنک حميد مجيد

اللهمّ بارک على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل إبراهيم إنک حميد مجيد

أما بعد: فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي محمد ﷺ وشرّ الأمور محدثاتها فإن كلّ محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار.

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب(صحیح البخاری) کے آخر میں (کتاب التوحید) کا عنوان باندھا ہے۔ یہاں تین (ضروری) چیزوں کو سامنے رکھنا چاہئے اس کے بعد بات سمجھ میں آئے گی کہ اس عنوان کو یہاں لانے کی کیا ضرورت پیش آئی۔؟!

پہلی بات یہ کہ : ایمان میں عقیدہ کا بہت کلیدی دخل ہے۔ایمان دراصل عقیدہ اور عمل کا مجموعہ ہے جیسا کہ سلف صالحین کا مذھب ہے۔ اعمال کے لئے (امام بخاری رحمہ اللہ نے) مختلف ابواب ذکر کئے ہیں جن میں عبادات ہیں اور اگر معاملات کو بھی اس میں داخل کیا جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ ہمارے جو بھی معاشرتی معاملات ہیں وہ اگر شریعت کے تحت ہیں تو وہ بھی اعمال ہیں۔(جب عبادات و معاملات کے ابواب کا تذکرہ کیا جاچکا) تو پھر رہ جاتا ہے عقیدہ تو اس کیلئے انہوں نے مستقل عنوان رکھا۔ایک عنوان ایمان سے متعلق تھا کہ آیا ایمان

کیا ہے ؟اس کی تعریف کیا ہے ؟۔ یہاں ضرورت تھی کہ ایمان پہلے بیان کیا جائے۔ اور بقیہ عقائد کو انہوں نے کتاب کے آخر میں بیان کیا۔ تو پہلی چیز یہ کہ ضرورت تھی کہ عقیدے کو بیان کیا جائے۔ (اس لئے انہوں نے اس کیلئے ایک مستقل عنوان باندھا)

دوسری بات یہ کہ: عقائد دو چیزوں کا مجموعہ ہیں۔ ان میں بعض باتیں ایجابی اور بعض سلبی اس لئے تمام مسائل کو بیان کرنے کے بعد (عقیدہ کے) مسئلہ کو بیان کرنا ضروری تھا کیونکہ عقائد کا ہر ایک عمل پر اثر ہوتا ہے۔ لہذا جب انسان تمام باتیں سمجھ جاتا ہے تو آخر میں اس کو نصیحت کی جاتی ہے کہ دیکھو اللہ سے ڈرنا اور اب سمجھ کر بات کرنا۔ گویا کہ آخر میں ہمیں عقیدے کی بات بتا کر یہ کہا جا رہا ہے کہ جو کچھ تمہیں کہا گیا ہے اس میں اگر تم عقیدے کا خیال رکھو گے تو ان تمام باتوں پر عمل تمہارے لئے آسان ہو جائے گا۔ (فرمان باری تعالیٰ ہے):

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مِنۡ أَمۡرِهِۦ يُسۡرٗا ۝٤ ﴾ (الطلاق:٤)

(ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ اس کے (ہر) کام میں آسانی کردے گا۔)

تیسری بات: جو کہ خاص طور پر قابل غور ہے وہ ہے ماحول کا اثر۔ (یہ بات واضح ہے کہ) تقریباً صحابہ کرام کے دور ہی میں اہل بدعت نے تھوڑا تھوڑا سر اٹھانا شروع کر دیا تھا، ان کی ہوا چلنی شروع ہو چکی تھی۔ جیسا کہ واصل بن عطا حسن بصری کی مجلس سے کنارہ کش ہوا تو انہوں نے فرمایا ''اعتزل عنا'' ہم سے الگ ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ظاہر ہوئے جیسا کہ معبد الجہنی نے تقدیر کے بابت باتیں شروع کیں اور جب ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا واقعہ سنایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ: ''اس سے جا کر کہو کہ اگر تم اس چیز (یعنی تقدیر) کو نہ مانو گے تو تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے، اور ہم تمہارے سے بری ہیں ہمارا تمہارے سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے''۔ تو (اس دور سے) ان کی آرا اور ان کی چھان بین کا آغاز ہو گیا تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے زمانے میں عقائد کے مسائل میں دخل بہت زور پکڑ چکا تھا۔ اس

وقت (چونکہ) ایک ہی جماعت تھی جماعتِ اہلحدیث۔ مسلمان صرف اہل حدیث کہلاتے تھے کیونکہ ان کا تعلق قران وحدیث کے علاوہ کسی چیز سے نہیں تھا۔ اور یہ ایک سنتِ قدیمہ ہے کہ مسلمان ہر دور میں اپنی کتاب کی طرف نسبت کرتے تھے۔ جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ﴿٤٧﴾ ﴾ (المائدة:٤٧)

(ترجمہ: اور انجیل والوں کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق حکم کریں۔)

حالانکہ ان کا نام مسلم تھا جیسا کہ انہوں نے خود کہا کہ:

﴿رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٣﴾ ﴾ (آل عمران:٥٣)

(ترجمہ: اے ہمارے پالنے والے معبود! ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی، پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔)

نیز فرمایا:

﴿قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾ ﴾ (المائدة:١١١)

(ترجمہ: انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہیے کہ ہم پورے فرماں بردار ہیں۔)

مگر اس کے باوجود ان کی معرفت کیلئے (اللہ تعالیٰ نے) انہیں اپنی کتاب کی طرف منسوب کیا۔ لہٰذا جماعت اہل حدیث کو بھی کتاب کی طرف نسبت کی بنا پر اہل حدیث کہا گیا ہے۔ اہل حدیث کے مقابلے میں سب سے پہلے اہل الرائے نے سر اٹھایا۔ ان کا یہ خیال تھا کہ دین کے معاملے میں ہماری عقلیات وافہام کو بھی دخل ہے، جبکہ اس سے پہلے تک مسلمان یہی سمجھتے تھے کہ دین میں رائے کا کوئی دخل نہیں۔ دین تو آسمان سے اترتا ہے (فرمان باری تعالیٰ ہے)

﴿ وَءَامَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ﴾ (محمد:٢)

(ترجمہ: اور اس پر بھی ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتاری گئی ہے اور دراصل ان کے رب کی طرف سے سچا (دین) بھی وہی ہے۔

یہ ہے شرعی قانون اور وہ لوگ اسی کو شریعت سمجھتے تھے۔

﴿ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ (الجاثیة:١٨)

(ترجمہ: پھر ہم نے آپ کو دین کی (ظاہر) راہ پر قائم کر دیا سو آپ اس پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہش کی پیروی میں نہ پڑیں۔)

اس کے علاوہ باقی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ھوی (خواہش پرستی) کہا۔ (فرمان الٰہی ہے):

﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ ﴾ (القصص:٥٠)

(ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے؟ جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو بغیر اللہ کی رہنمائی کے۔)

تو سمجھ میں آیا کہ عقل کے مقابلے میں ھوی (یعنی خواہش پرستی) تھی۔

اہل رائے نے اپنے تئیں لوگوں کے سامنے یہ توجیہ بیان کی کہ عقل تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے تو اللہ کی نعمت کو ہم کیوں چھوڑیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھ دی ہے اگر کوئی اس سے نہیں دیکھتا، یا جو ناک دی ہے اس سے سونگھتا نہیں، تو یہ بے کار ہیں۔ ہاتھ اللہ تعالیٰ نے کام کرنے کیلئے دیئے ہیں اگر کوئی استعمال نہیں کرتا تو یہ بالکل بے کار ہیں اسی طرح عقل بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت اور جوہر ہے اگر ہم اس کو استعمال نہیں کرتے تو یہ نعمت کی ناشکری، اور کفران نعمت ہے لہذا اس کو استعمال کرنا چاہیئے۔

ہمارے پاس اس توجیہ کا جواب کچھ یوں ہے کہ: پہلے اصولی باتیں سمجھیں آگے سارا

مسئلہ آسان ہو جائے گا۔ عقل بھی اللہ کی دین ہے اور کتاب بھی اللہ ہی کی دی ہوئی ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴿٢٥﴾﴾ (الحدید:۲۵)

(ترجمہ: یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔)

یعنی ہم نے کتاب اور میزان دونوں کو نازل کیا۔ میزان عقل ہے جس سے انسان بات کو تولتا ہے۔ محاورۃ بھی کہا جاتا ہے کہ۔ بھئی اس بات کو تول کر تو دیکھو، اب بات کو تولنے کیلئے کوئی ترازو تو ہے نہیں تو یہاں مقصد یہ ہوتا ہے کہ عقل کے میزان میں (اس کا کھرا کھوٹا) جانو۔ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں بھیجیں تاکہ لوگ عدل وانصاف سے قائم رہیں۔ لہٰذا ہمارا "قیام بالقسط" ان دو چیزوں پر موقوف ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ایک اور قاعدہ بھی سمجھایا گیا۔ اور وہ یہ کہ:

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾﴾ (النساء:۸۲)

(ترجمہ: اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بھی کچھ اختلاف پاتے۔)

اللہ کی جانب سے دی ہوئی چیز میں اختلاف اور ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ اب عقل اور کتاب دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی چیزیں ہیں لہٰذا اس قاعدہ کے تحت ان میں ٹکراؤ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ ہے سب سے پہلا اور بنیادی مسئلہ کہ ان لوگوں نے عقل کو مستقل حیثیت دی اور عقل اور ھوی (خواہش پرستی) میں فرق نہیں کیا۔ ! (فرمان باری تعالیٰ ہے۔)

﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴿٨﴾﴾ (الشمس:۸)

(ترجمہ: پھر سمجھ دی اسکو بدکاری سے اور بچ کر چلنے کی۔)

یعنی عقل میں تو دونوں باتیں (فجور اور تقویٰ کی) آتی ہیں۔ تو جب یہ لوگ عقل اور ھوی

(خواہش پرستی) میں فرق نہ کرسکے اسی بناپر انہوں نے عقل کو آگے رکھا۔ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ (عقل اور کتاب) دونوں چیزیں اللہ کی طرف سے ہیں ان میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اور جہاں اختلاف واقع ہوتا ہے وہ عقل نہیں، وہ ھوی ہے۔ یہ ہے امتیاز کہ اگر عقل کتاب کے خلاف ہے تو اسے عقل نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ ھوی (خواہش پرستی) کہلائے گی۔

ایک قاعدہ: ایک قاعدہ آپ کو سمجھادوں کہ دنیا میں دو طرح کی چیزیں ہیں ایک مرئی (مشاہدے میں آنے والی) اور دوسری غیر مرئی (مشاہدے میں نہ آنے والی)۔ مرئی چیز ظاہر ہوتی ہے اور غیر مرئی معقول ہوتی مگر مرئی نہیں ہوتی۔ تو غیر مرئی چیز کو مرئی چیز سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے: کہ غیر مرئی چیز مرئی چیز سے پہچانی جاتی ہے۔

اس کی مثال: روح ہے روح کو ہم سب مانتے ہیں مگر وہ مرئی چیز نہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انسان مرتا اور زندہ ہوتا ہے اب کون جانتا ہے کہ روح اندر داخل ہو گئی ہے۔ مثلاً۔ ماں کے پیٹ میں بچہ ہے بچہ میں جان پڑ گئی ماں کو کیسے پتہ چلا کہ جان روح ماں کے جسم میں اور پھر بچے میں کہاں سے داخل ہوئی۔ جب آدمی مرتا ہے تو روح نکل جاتی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہاں سے نکلی کس نے دیکھی؟

یہاں مجھے ایک لطیفہ یاآیا کہ ہمارے یہاں سے کوئی سات میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے اس گاؤں کا ایک آدمی بکریاں چراتا تھا، ان ایک بکری جب مرنے لگی تو وہ چھری لینے کیلئے گھر کو بھاگا پھر اس نے سوچا کہ جب تک میں واپس آؤں گا یہ مر جائے گی، اس کی روح پرواز کر جائے گی۔ پھر اس نے ایک ترکیب سوچی اور مٹی سے بکری کے تمام سوراخ بند کر دیے۔ جب گھر پہنچ کر چھری لینے لگا تو انہوں نے پوچھا کیا کرنی ہے کہا بکری ذبح کرنی ہے، انہوں نے کہا وہ تو تمہارے جانے تک مر جائے گی کہنے لگا میں اس کے تمام سوراخ بند کر کے آیا ہوں اس کی جان نہیں نکلے گی۔ جب واپس آیا تو بکری مر چکی تھی۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ سوراخ تو سب بند تھے روح نکلی کہاں سے۔ اس لئے ہم مرئی چیزوں سے روح کا فیصلہ کرتے ہیں مثلاً جب ماں کے پیٹ میں بچہ حرکت کرتا ہے تو یہ دلیل ہے کہ اس میں جان ڈل گئی ہے۔ یہاں حرکت

مرئی چیز ہے جس سے ہم نے غیر مرئی چیز یعنی روح کو پہچانا۔ جب انسان مر جاتا ہے اس کی حرکتِ قلب بند ہو جاتی ہے اعضاء بند ہو جاتے ہیں جو جان ڈلنے کی دلیل ہے۔ اس طرح نبض کا رک جانا دل کی دھڑکن کا بند ہو جانا یہ تمام مرئی چیزیں ہیں جن سے ہم دلیل لیتے ہیں کہ غیر مرئی چیز یعنی روح نکل گئی۔ اور روح داخل ہو گئی۔ تو مرئی چیز ہے غیر مرئی چیز کا علم ہوتا ہے، تو کتاب ایک مرئی چیز ہے عقل غیر مرئی چیز ہے لہذا عقل وھوی (خواہش پرستی) کی تمیز ہو گی مرئی چیز کے ساتھ یعنی کتاب کے ساتھ۔ ورنہ پھر یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا غلط ہے کہ ان دونوں میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ تو جہاں بھی اختلاف واقع ہوا سمجھو کہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے شیطان کی طرف سے ہے۔ لہذا ہم عقل کو مانتے ہیں کہ وہ اللہ کی دین ہے، اور اس میں اور کتاب میں اختلاف نہیں ہو سکتا، جہاں اختلاف واقع ہو وہاں شیطان کا دخل ہے۔ جبکہ (اہل رائے) نے عقل کو سامنے رکھا اور عقل کے بارے میں کئی موضوع اور من گھڑت روایتیں بیان کیں حالانکہ یہ تمام روایتیں موضوع ہیں صحیح نہیں ہیں۔

اس کے بعد اہل الرائے نے جب دیکھا کہ دلائل ان کے خلاف آنے لگے ہیں احادیث ان کے خلاف ہیں تو یہاں ان کے لئے ایک مشکل کھڑی ہو گئی، اس سے بچنے کیلئے انہوں نے تین بت تیار کئے، جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ: ''اہل الرائے کے تین بت ہیں جن کا وہ سہارا لیتے ہیں۔

پہلا بت: تاویل: اس (نص) کی کسی اور معنیٰ میں تاویل کر کے جان بچاتے ہیں۔ یہ اصطلاح بھی ان کی اپنی گھڑی ہوئی ہے، ابتدائی ادوار میں سلف کے ہاں تاویل صرف دو معنوں میں استعمال ہوتی تھی۔ ایک مآل اور عاقبت کے معنیٰ میں:

﴿ هَلۡ يَنظُرُونَ إِلَّا تَأۡوِيلَهُۥۚ يَوۡمَ يَأۡتِي تَأۡوِيلُهُۥ ﴾ (الأعراف:۵۳)

(ترجمہ: ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے اخیر نتیجہ کا انتظار ہے

(۱) جس روز اس کا اخیر نتیجہ پہنچ آئے گا۔)

دوسرا معنیٰ: تفسیر ہے جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے جگہ جگہ اس

عنوان سے باب قائم کیا'' باب تأویل قول اللہ تعالیٰ'' یاامام ابن جریر رحمہ اللہ بسامقامات پر فرماتے ہیں'' تأویل هذه الآیة ''سلف میں اصلاتأویل کے ان دو معنیٰ کا ہی استعمال رہا۔ جبکہ تیسرے معنیٰ کی اصطلاح متأخرین کی اصطلاح ہے۔ جس کا معنیٰ: ''کسی لفظ کا معنیٰ کسی قرینے کی بناپراس کے ظاہر معنیٰ سے نکال کر دوسرے معنیٰ کو مراد لیا جائے''۔

اس معنیٰ کی اصطلاح سلف کے ہاں معروف نہیں تھی۔ اب ان (اہل الرائے) نے اس اصطلاح کی آڑ میں کئی دلائل سے خود کواور اپنے مذہب کو بچایا۔

دوسرابت: مجاز ہے۔ جہاں بھی بات آئی کہتے ہیں یہاں مجازی معنیٰ مراد ہے حقیقی نہیں، اس طرح سے اپنی جان بچالیتے ہیں۔ حالانکہ (مجاز) بڑابحث طلب مسئلہ ہے۔ مجاز کی تعریف یہ لوگ یوں کرتے ہیں کہ: واضع نے ایک لفظ کسی معنیٰ کیلئے وضع کیاہو اور پھر کسی ضرورت کی بناپراس سے دوسرا معنیٰ مراد لیا جائے۔

اب یہاں ہم کہتے ہیں کہ: ہمیں اس بات کا جواب دو کہ واضع نے اسے اس لفظ کیلئے کب وضع کیا، کون اس کا گواہ ہے؟ پھر کب اس لفظ کو دوسرے معنیٰ کے لیے استعمال کیا گیا۔ یہ محض بناوٹی باتیں ہیں تمام لغتیں اللہ تعالیٰ نے بنائی ہیں اور جو جو لفظ جن معنوں میں استعمال ہوتا ہے وہ اسی معنیٰ میں ہے۔

مجاز کی مثال دیتے ہیں کہ:

﴿فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ فَأَقَامَهُۥ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿٧٧﴾﴾ (الکهف:۷۷)

(ترجمہ: دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گراہی چاہتی تھی، اس نے اسے ٹھیک اور درست کر دیا، موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔)

یہ کب بتایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ چیز گرنے والی ہے۔ ایک اور مثال دیتے ہیں کہ ''رأیت أسدا یخطب ''اب یہاں ظاہر ہے کہ اس سے مراد انسان ہے لیکن یہاں ہم کیسے

مانیں گے کہ حقیقی شیر ہو سکتا ہے کیونکہ شیر تو خطبہ دیتا ہی نہیں۔ لہذا یہ استعمال بھی صحیح نہیں۔ بہر حال اس قسم کی کئی باتیں بنا کر مجاز کو سامنے رکھ کر انہوں نے بہت سے دلائل کے بارے میں کہا کہ یہاں مجازی معنٰی مراد ہے۔اور اسی بنا پر انہوں نے کئی صفات کا انکار کر دیا۔

تیسرا بات: ان کا تیسرا سب سے بڑا بات یہ ہے کہ خبر واحد عقائد میں حجت نہیں۔ کہتے ہیں یہ بھی خبر واحد ہے یہ بھی خبر واحد ہے ہم نہیں مانتے اسے۔ لہذا جس کا چاہا انکار کر دیا جس کو چاہا مان لیا۔ حالانکہ غیر متواتر کو عقائد میں نہ ماننے والا عقیدہ بھی محدث ہے۔ آپ اس کی ادنی مثال یوں سمجھئے کہ مثلا عقائد کی روایتیں ہیں، معراج کی روایتیں ہیں، رؤیت باری تعالی، نزول باری تعالی کی روایتیں ہیں یہ تمام روایتیں متواتر ہو چکی ہیں۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ ان روایتوں کے جتنے بھی راوی ہیں وہ تو مختلف شہروں میں چلے گئے، کوئی کوفہ، کوئی بصرہ میں چلا گیا، کوئی بحرین کوئی مکہ کوئی مدینہ کوئی خراسان وغیرہ چلا گیا۔ غرض کوئی کہاں گیا کوئی کہاں اور وہاں جا کر جب انہوں نے وہاں کے لوگوں کو کسی نے رؤیت باری تعالی کی، کسی نے معراج کی، تو ان سب لوگوں نے اس اکیلے کی بات کو مان لیا انہوں نے تو یہ نہیں کہا کہ ہم اس اکیلے کی بات کیوں مانیں۔ (غرض) اس وقت تو متواتر کا وجود ہی نہیں تھا یہ بات تو اس وقت بنی جب تمام روایتیں مدون ہوئیں ایک ہی مسئلہ پر بیس، چالیس، یا پچاس صحابہ کی روایتیں ہمارے پاس جمع ہو گئیں تو ہم نے کہہ دیا یہ متواتر ہے۔ مگر اس سے پہلے یہ تصور نہیں تھا۔ ایک صحابی نے کسی شہر میں جا کر ایک جماعت کو قصہ سنا دیا، انہوں نے اس کو مان لیا، عقیدہ رکھ لیا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ عقیدہ سلف یہ نہیں تھا کہ جب تک متواتر نہ ہو ہم اس روایت کو عقائد میں نہیں مانیں گے۔ ان لوگوں (اہل الرائے) نے دیکھا کہ جب روایتیں متواتر ہو چکیں تو پھر کہنے لگے کہ اب چلاؤ جو چل سکے۔ لہذا ان لوگوں نے یہ کہہ کر کہ ہم نہیں مانتے، قاعدہ اور اصول سے انحراف کیا جبکہ ان سے پہلے سب مانتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو کوئی کسی کی نہیں مانتا یعنی رؤیت اور معراج وغیرہ والی حدیثیں تواتر سے پہلے انہیں کوئی نہیں مانتا۔ مگر حقیقت ہے کہ سلف نے مانا ان کے ہاں اس طرح کا تصور نہیں تھا یہ بعد کا پیدا کردہ ہے اور یہ نظریہ غلط ہے۔

تو (امام بخاری رحمہ اللہ) کے دور میں ماحول ایسا تھا کہ انہوں (اہل الرائے) نے کئی اپنے عقائد گھڑے پھر اللہ تعالیٰ کی صفات میں طرح طرح کی باتیں شروع کردیں کئی ضروریات دین کی باتوں کا انکار کردیا۔

قرآن مجید کا تعارف

(عثمان صفدر)

قرآن کریم ایک ایسی عظیم کتاب ہے جس کی ابتداء کائنات سے انتہاء کائنات تک کوئی مثال ملنا ناممکن ہے، خالق کا ایسا کلام ہے جو چودہ سو سال سے مخلوق کے لئے ذریعہ ہدایت ہے، حق و باطل میں فارق ہے، معجزہ نبوت ہے، ایک ایسا چیلنج ہے جس نے باطل کے ایوانوں میں لرزہ پیدا کیا ہے اور جس کا جواب آج تک کوئی بھی دینے کی جرأت نہیں کر سکا۔

قرآن عظیم ایسا نور ہے کہ جس کسی نے بھی اس کے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت تلاش کی وہ گمراہ ہو گیا، یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، اس کا حکیمانہ ذکر ہے، اور یہی صراط مستقیم ہے۔

اگلی چند سطور میں انشاء اللہ ہم اس عظیم کتاب کا درج ذیل نکات کی روشنی میں مختصر تعارف حاصل کرنے کی کوشش کریں گے:

(1) قرآن مجید کی لغوی واصطلاحی تعریف۔

(۲) قرآن کے نام وصفات۔

(۳) عظمت واعجاز قرآن۔

(۴) قرآن کے خصائص۔

(۵) علوم القرآن کا مختصر جائزہ۔

(۶) قرآن کے بارے میں چند اہم معلومات۔

(1) قرآن مجید کی لغوی واصطلاحی تعریف:

لغوی تعریف: علماء لغت کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ لفظ "قرآن" فعل "قرأ، یقرأ" کا مصدر ہے اور بمعنی مفعول یعنی مقروٗ کے ہے جس کا ترجمہ ہے "پڑھا جانے والا کلام"، پھر بعد میں یہ مصدریت سے نکل کر کلام الٰہی کا نام بن گیا۔

امام زرقانی فرماتے ہیں: "جہاں تک لفظ "قرآن" کا تعلق ہے تو یہ "لفظ قرأت" کی

طرح مصدر ہے، اور اسی کو اللہ تعالی نے بطور مصدر کے اپنے اس فرمان میں استعمال کیا: ﴿ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُۥ وَقُرْءَانَهُۥ ﴿١٧﴾ فَإِذَا قَرَأْنَٰهُ فَٱتَّبِعْ قُرْءَانَهُۥ ﴿١٨﴾ ﴾ القيامة: ١٧ - ١٨

ترجمہ: "اسکا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔"[1]

اصطلاحی تعریف:

اہل سنت وجماعت کے ہاں قرآن کی متعدد تعریفات ہیں جو کہ تقریباً ہم معنی ہیں، اس تعدد کی وجہ غالباً یہ رہی ہوگی کہ ہر عالم نے ایک خاص مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کی اس پہلو سے تعریف کی جو اس کے موضوع سے مطابقت رکھتی ہو، مثلاً کسی نے قرآن کے کلام اللہ ہونے کو بیان کرنا تھا، کسی کا مقصد قرآن کی سورتوں کی ترتیب کے توقیفی ہونے یا نہ ہونے کے حوالہ سے بحث کرنا تھا، کسی کا مطمع نظر قرآن کے فضائل تھے۔

اس حوالہ سے مختلف کتابوں کے مطالعہ اور تعریفات کو یکجا کرنے کے بعد قرآن کی ایک جامع مانع تعریف کچھ اس طرح کی جاسکتی ہے کہ:

" قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے، محمد ﷺ پر بذریعہ وحی نازل ہوا جسے جبریل علیہ السلام لے کر آئے، واضح عربی زبان میں ہے، اس کے حروف اور معانی دونوں اللہ تعالی کی طرف سے ہیں، اللہ ہی سے اس کی ابتداء ہے اور اللہ کی طرف ہی اس نے لوٹ جانا ہے، اس کی تلاوت کرنا عبادت ہے، اس کے الفاظ عاجز کردینے والے ہیں، بذریعہ تواتر منقول ہوا، مصاحف میں لکھا ہوا ہے، اس کی ابتداء سورۃ فاتحہ سے ہے اور اختتام سورۃ الناس پر ہے۔[2]

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ وَإِنَّهُۥ لَتَنزِيلُ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ ٱلرُّوحُ ٱلْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ ﴾ الشعراء: ١٩٢ – ١٩٥

---

(1) مناهل العرفان في علوم القرآن (1 \ 14)

(2) دیکھئے مناهل العرفان (۱ \ ۱۷) مباحث فی علوم القرآن (۱۷) و[illegible] علوم القرآن (۱۰)

ترجمہ: ''اور بیشک وشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے۔ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔ آپ کے دل پر اترا ہے کہ آپ آگاہ کر دینے والوں میں سے ہو جائیں۔ صاف عربی زبان میں ہے''۔

تعریف کی شرح اور دلائل:

☆ ''قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے'': قرآن مجید کی اصطلاحی تعریف کا یہ وہ اہم جملہ ہے جو اہل سنت اور اہل بدعت کے درمیان ایک فارق کی حیثیت رکھتا ہے، اور اہل سنت کے ہاں قرآن کے مقام کی بڑی واضح تعیین کر دیتا ہے۔

اللہ تعالی کو صفت کلام سے موصوف کرنا صفات الہی کے باب میں اختلاف کی بنیاد ہے، جس نے اللہ تعالی کو صفت کلام سے متصف تسلیم کیا اس نے دیگر صفات الٰہیہ کا بھی اقرار کیا جیسا کہ یہ اہل سنت کا عقیدہ ہے، اور جس نے صفت کلام کا انکار کیا اس نے دیگر صفات کا بھی یا تو کلی انکار کیا یا پھر اس میں تاویل سے کام لیا، جیسا کہ یہ اہل بدعت، یعنی جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ، اور ماتریدیہ کا موقف ہے، اور اس بارے میں دونوں طرف سے بھر پور کتب، اور مناظرے کئے گئے جن کی تفصیل کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں، البتہ میں مختصراً اہل سنت کا اس حوالہ سے عقیدہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ: ''اللہ تعالی کلام کرنے پر قادر ہے، وہ جب چاہتا ہے، جیسے چاہتا ہے کلام کرتا ہے، رب العالمین کلام کرنے کے لئے ہماری طرح زبان، ہونٹ، اور تالو وغیرہ کا محتاج نہیں، بلکہ وہ اس طرح کلام کرتا ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے، اور قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے، جس نے قرآن کو مخلوق کہا وہ کافر ہے''۔[1]

اہل بدعت کے قرآن کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں جن کی تفصیل ایک عبث کام ہے،

---

[1] اصول اعتقاد أهل السنة للامام أحمد (27)، خلق أفعال العباد للامام البخاري (32- 66)، الاعتقاد للبيهقي (95)، صريح السنة للطبري (24)، الحجة في بيان المحجة لأبي القاسم الأصبهاني (2\ 193)

البتہ تمام اہل بدعت کم از کم اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالی کلام نہیں کرتا اور قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے، یعنی اس کے الفاظ اللہ تعالی کے نہیں ہیں، پھر اس کے بعد قرآن کے حوالہ سے ان کے موقف اتنے بے ہنگم اور پیچیدہ ہیں کہ یہ مختصر سی بحث ان کی تفاصیل اور پھر ان پر رد کی متحمل نہیں ہو سکتی، اس کے حوالہ سے اہل سنت کے علماء نے بڑی جامع اور عمدہ کتب تحریر کی ہیں۔

یہاں ایک بات توضیح طلب ہے اور وہ یہ کہ قرآن کو کلام الہی ماننے سے انکار کرنا، اور قرآن کو مخلوق قرار دینا دو الگ الگ موقف ہیں، اور ان میں عموم خصوص ہے، یعنی جس نے قرآن کو مخلوق قرار دیا اس کے نزدیک قرآن کلام الہی بھی نہیں ہے، اور جس نے قرآن کو کلام الہی ماننے سے انکار کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے قرآن کو مخلوق قرار دیا ہو۔ اسی وجہ سے علماء اہل سنت نے ان دونوں موقف پر الگ الگ حکم لگایا ہے، اس بات پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ جس نے قرآن کو مخلوق کہا وہ کافر ہے[1]، اور یہ عقیدہ جہمیہ اور معتزلہ کا ہے، اور جس نے قرآن کے بارے میں یہ کہا کہ اللہ تعالی نے اس کا تکلم نہیں فرمایا لیکن اس کے معانی اللہ تعالی کی طرف سے ہیں (یعنی الفاظ اللہ تعالی کے نہیں ہیں) تو اس کے بارے میں اہل سنت نے بدعت کا حکم لگایا ہے لیکن اس کے قائل کو کافر قرار نہیں دیا[2]، اور یہ قول اشاعرہ اور ماتریدیہ کا ہے۔

ان اہل بدعت کا سردار فرقہ جہمیہ ہے، پھر اس کے بعد ان کی اتباع میں معتزلہ، پھر کلابیہ، پھر اشاعرہ اور ماتریدیہ کا فرقہ ہے۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ فرقے اب ناپید ہو چکے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ فرقے نئے نام اور پہچان کے ساتھ آج بھی موجود ہیں، جیسا کہ برصغیر پاک و ہند میں موجود احناف حضرات جو کہ دیوبندی کہلاتے ہیں خصوصاً اور پوری دنیا میں موجود

---

(1) شرح أصول إعتقاد أهل السنة للالكائي (2 \ 227، 312) و مجموع الفتاوی لابن تيمية (5\ 197)

(2) التسعينية لابن تيمية (٣/ 875)

احناف حضرات عموماً اس مسئلہ میں فرقہ ماتریدیہ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، یعنی ان کے ہاں بھی قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے (نعوذ باللہ)۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ایک بڑے دیوبندی عالم خلیل احمد سہارنپوری جو کہ احناف کے ہاں آج بھی قابل قدر علماء میں شمار ہوتے ہیں نے اپنی ایک معروف کتاب "المھند علی المفند" جس پر تقریباً پینسٹھ (٦٥) کبار علماء دیوبند کے دستخط موجود ہیں اور جو دیوبندی حضرات کے ہاں عقیدہ کے باب میں ایک بڑی اہم کتاب تصور کی جاتی ہے اور جسے آج بھی دیوبندی مدارس میں بڑے اہتمام سے پڑھایا جاتا ہے، اس کی ابتداء میں مصنف لکھتے ہیں " سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ ہمارا فرقہ اور ہماری جماعت فقہی مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتی ہے، اور عقیدہ کے مسائل میں ابو الحسن اشعری (جو کہ فرقہ اشعریہ کے بانی ہیں) اور ابو المنصور ماتریدی (جو کہ فرقہ ماتریدیہ کے بانی ہیں) کی اتباع کرتی ہے"۔

قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ علماء دیوبند نے اس مسئلہ سے اپنی عوام کو لاعلم رکھا ہے، آپ کسی بھی عام دیوبندی سے پوچھ لیں کہ: " قرآن کیا ہے؟" تو وہ یہی کہے گا کہ " قرآن اللہ کا کلام ہے" کیونکہ یہی ایک مسلمان کا فطری عقیدہ ہے، یہی عقیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین کرام کا تھا (جیسا کہ آگے دلائل میں مذکور ہوگا)، اس مسئلہ کی سنگینی کی وجہ سے علماء دیوبند نے اس مسئلہ میں رافضہ کی تقیہ والی عادت کو اپنایا ہے، اور آج تک ہر عام دیوبندی شخص اس مسئلہ سے لاعلم ہے۔ واللہ المستعان۔

اللہ تعالیٰ کی صفت کلام اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے دلائل:

﴿1﴾ قرآن سے:

(۱) ﴿ تِلْكَ ٱلرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ ٱللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَٰتٍ ﴾ البقرة: ٢٥٣

ترجمہ: "یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی ہے اور بعض کے درجے بلند کیے ہیں"۔

(۲) ﴿ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴾ النساء: ١٦٤

ترجمہ: "اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا"۔

(۳) ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ﴾ الأنعام: ١١٥

ترجمہ: "آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے"۔

(۴) ﴿ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ﴾ الأعراف: ١٤٣

ترجمہ: "اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں"۔

(۵) ﴿ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي ﴾

ترجمہ: "ارشاد ہوا اے موسیٰ! میں نے پیغمبری اور اپنی ہمکلامی سے باقی لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے"۔

(۶) ﴿ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ﴾

ترجمہ: "اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر قرآن کو اپنا کلام قرار دیا ہے۔

(۷) ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ ﴾ هود: ١١٩

ترجمہ: "اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی کہ البتہ بھر دوں گا دوزخ"۔

(۸) ﴿ قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي ﴾

ترجمہ: "کہہ دیجئے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا"۔

(۹) ﴿ وَنَٰدَيۡنَٰهُ مِن جَانِبِ ٱلطُّورِ ٱلۡأَيۡمَنِ وَقَرَّبۡنَٰهُ نَجِيّٗا ﴾ مریم: ۵۲

ترجمہ: ”اور ہم نے ان کو طور کی داہنی جانب پکارا اور باتیں کرنے کے لئے نزدیک بلایا“۔

(۱۰) ﴿ فَلَمَّآ أَتَىٰهَا نُودِيَ يَٰمُوسَىٰٓ ۝١١ إِنِّيٓ أَنَا۠ رَبُّكَ فَٱخۡلَعۡ نَعۡلَيۡكَ إِنَّكَ بِٱلۡوَادِ ٱلۡمُقَدَّسِ طُوٗى ۝١٢ ﴾ طٰہٰ: ۱۱ ـ ۱۲

ترجمہ: ”جب وہ وہاں پہنچے تو آواز دی گئی اے موسیٰ۔ یقیناً میں تیرا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دے، کیونکہ تو پاک میدان طویٰ میں ہے“۔

(۱۱) ﴿ وَإِذۡ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰٓ أَنِ ٱئۡتِ ٱلۡقَوۡمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝١٠ ﴾ الشعراء: ۱۰

ترجمہ: ”اور جب آپ کے رب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو آواز دی کہ تو ظالم قوم کے پاس جا“۔

(۱۲) ﴿ فَلَمَّآ أَتَىٰهَا نُودِيَ مِن شَٰطِيِٕ ٱلۡوَادِ ٱلۡأَيۡمَنِ فِي ٱلۡبُقۡعَةِ ٱلۡمُبَٰرَكَةِ مِنَ ٱلشَّجَرَةِ أَن يَٰمُوسَىٰٓ إِنِّيٓ أَنَا ٱللَّهُ رَبُّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ۝٣٠ ﴾ القصص: ۳۰

ترجمہ: ”پس جب وہاں پہنچے تو بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے آواز دیئے گئے کہ اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا پروردگار“۔

(۱۳) ﴿ وَلَوۡ أَنَّمَا فِي ٱلۡأَرۡضِ مِن شَجَرَةٍ أَقۡلَٰمٞ وَٱلۡبَحۡرُ يَمُدُّهُۥ مِنۢ بَعۡدِهِۦ سَبۡعَةُ أَبۡحُرٖ مَّا نَفِدَتۡ كَلِمَٰتُ ٱللَّهِۚ ﴾ لقمان: ۲۷

ترجمہ: ”روئے زمین کے (تمام) درختوں کے اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے“۔

(۱۴) ﴿ إِذۡ نَادَىٰهُ رَبُّهُۥ بِٱلۡوَادِ ٱلۡمُقَدَّسِ طُوًى ۝١٦ ﴾ النازعات: ۱۶

ترجمہ: ”جب کہ انہیں ان کے رب نے پاک میدان طویٰ میں پکارا“۔

﴿2﴾ سنت سے:

(۱) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات میں اپنے آپ کو

لوگوں پر پیش کیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ: "ہے کوئی ایسا شخص جو مجھے اپنی قوم کی طرف لے جائے، کیونکہ قریش نے مجھے میرے رب کے کلام کی تبلیغ سے روک دیا ہے"۔ (1)

(۲) انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیت اللہ سے معراج پر لے جایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موسی علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر پایا، اور یہ فضیلت موسی علیہ السلام کو اللہ تعالی سے ہم کلام ہونے کے شرف کی وجہ سے حاصل ہوئی"۔ (2)

(۳) ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالی فرماتا ہے: میرا عطا کرنا کلام سے ہے، میرا عذاب دینا کلام سے ہے، میں جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں تو اس کے لئے کہہ دیتا ہوں "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے"۔ (3)

(۴) عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالی قیامت کے دن بندوں کو زندہ کرے گا، پھر وہ انہیں بلند آواز سے پکارے گا جسے دور والا بھی ایسے ہی سنے گا جیسے قریب والا سنے گا (اللہ تعالی فرمائے گا) "میں مالک ہوں، میں انصاف کرنے والا ہوں، کسی جنتی کے یہ لائق نہیں کہ وہ جنت میں داخل ہو، اور نہ ہی کسی جہنمی کے لائق ہے کہ وہ جہنم میں داخل ہو اگر اس نے کسی پر ظلم کیا ہو، اور مظلوم اسے تلاش کر رہا ہو"۔ (4)

(۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ تعالی آسمان میں کسی معاملہ کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اللہ کے اس فیصلہ کی اطاعت ظاہر کرنے کے لئے اپنے

---

(1) سنن الترمذي (فضائل القرآن ، ح ٢٩٢٥) و سنن أبي داود (كتاب السنة ، ٤٧٣٤) سنن ابن ماجه (المقدمة ، ٢٠١)

(2) صحيح البخاري (كتاب التوحيد ، ح ٧٥١٧) ، صحيح مسلم (كتاب الإيمان)

(3) سنن الترمذى (كتاب صفة القيامة ، ٢٤٩٥) سنن ابن ماجه (كتاب الزهد ، ح ٤٢٥٧)

(4) مسند احمد (١٥٦١٢) مستدرك حاكم (٢\ ٤٣٧ ، ٣٥٦٧)

پر مارتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے بیہوشی کو اٹھالیا جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ پھر کہتے ہیں: اس نے حق کہا ہے اور وہ بلند اور بڑا ہے"۔[1]

(۶) عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " تم میں سے ہر شخص سے اللہ تعالی اس طرح کلام کرے گا کہ اس کے اور اللہ تعالی کے درمیان کوئی ترجمانی کرنے والا نہ ہوگا"۔[2]

﴿ 3 ﴾ اقوال وآثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین:

(۱) خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "تم جتنا اللہ تعالی کے قریب ہو سکتے ہو اتنا قریب ہونے کی کوشش کرو، اور تم اللہ تعالی کے کلام کے ذریعہ جتنا اس کے قریب ہو سکتے ہو اتنا کسی اور چیز کے ذریعہ نہیں ہو سکتے، کیونکہ اسے اپنا کلام بہت محبوب ہے"۔[3]

(۲) نیار بن مکرم الاسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿الٓمٓ ۝١ غُلِبَتِ ٱلرُّومُ ۝٢﴾ الروم: ۱ - ۲

ترجمہ: "الم۔ رومی مغلوب ہو گئے ہیں"۔ تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے، اور اونچی آواز میں کہنے لگے "میرے رب کا کلام ہے، میرے رب کا کلام ہے"۔

(۳) اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما جب بھی قرآن سنتی تھیں تو فرمایا کرتی تھیں: "میرے رب کا کلام ہے، میرے رب کا کلام ہے"۔[4]

---

(1) صحیح البخاری (کتاب التفسیر، 4701 ، 4800، اور کتاب التوحید، 7481)
(2) صحیح البخاری (کتاب الزکاۃ، 1413) صحیح مسلم (کتاب الزکاۃ، 1016)
(3) مصنف ابن ابی شیبۃ (10 \ 510)، مستدرک حاکم (2 \ 441)
(4) السنۃ للخلال (7 \ 56 – 57)

☆ **"محمد ﷺ پر بذریعہ وحی نازل ہوا جسے جبریل علیہ السلام لے کر آئے":** اس میں قرآن کے حوالہ سے تین قیود کا تذکرہ ہے، جو قرآن کریم کو دیگر کلام الٰہی سے ممتاز حیثیت عطا کرتا ہے:

① **"محمد ﷺ"** کی قید لگا کر ہم نے ان کتب سماویہ سے قرآن مجید کو الگ کر دیا جو نبی کریم ﷺ سے پہلے انبیاء پر نازل ہوئیں، جیسے تورات، زبور، انجیل وغیرہ۔

② **"نازل ہوا":** کہہ کر ہم نے اللہ تعالی کے اس کلام سے قرآن مجید کو الگ کر دیا جس کو اللہ تعالی نے اپنے پاس غیب کی صورت میں رکھا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾﴾ الکهف: ۱۰۹

ترجمہ: "کہہ دیجئے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا، گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں"۔

③ **"جبریل علیہ السلام لے کر آئے":** یہ قید لگا کر ہم نے اس وحی کو قرآن کریم سے جدا کر دیا جو محض خواب یا الہام کے ذریعہ نبی ﷺ تک پہنچائی گئی، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾﴾ النجم: ۳ ـ ۴

ترجمہ: "اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے"۔

یعنی نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ بھی وحی الٰہی ہیں، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: " یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ سنت بھی قرآن کی طرح وحی اور موجب عمل

ہے"۔[1]

امام عبدالرحمن السعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ سنت اللہ تعالی کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب وحی ہے"[2]۔

اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: "میں ہر وہ بات جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتا اور اسے یاد رکھنا چاہتا اسے لکھ لیا کرتا تھا، تو مجھے قریش والوں نے منع کیا اور کہنے لگے کہ "وہ تو بشر ہیں، کبھی غصہ کی کیفیت میں ہوتے ہیں، کبھی خوشی کی کیفیت میں" تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور یہ بات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: "تم لکھو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہاں سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا"[3]۔ لیکن ان دونوں اقسام کی وحی میں فرق یہ ہے کہ قرآن صرف اور صرف بذریعہ جبریل علیہ السلام نازل کیا گیا ہے۔

☆ **"واضح عربی زبان میں ہے"**: جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ ﴾ الشعراء: ۱۹۵

ترجمہ: "صاف عربی زبان میں ہے"۔

اس قید سے ہم نے قرآن حکیم کے تراجم اور تفاسیر کو قرآن کے حکم سے الگ کر دیا، یعنی کئی احکامات ایسے ہیں جو قرآن کے لئے خاص ہیں اس کی تفسیر و ترجمہ کے لئے نہیں ہیں، جیسے ان تراجم کو پڑھنے کا وہ ثواب نہیں جو قرآن کی تلاوت کا ہے۔ اگر وہ تفسیر عربی زبان میں ہو تو اس کو قرآن سے جدا کرنے کے لئے دیگر شرائط تعریف میں مذکور ہیں۔

---

(1) تفسیر القرطبی (9 \ 20)

(2) تفسیر تیسیر الکریم المنان (818 \ 1)

(3) سنن ابی داود (کتاب العلم، باب کتاب العلم، 3163)

☆ " اس کے حروف اور معانی دونوں اللہ تعالی کی طرف سے ہیں": اس جملہ کا تعلق قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی بحث سے ہے جو کہ گزشتہ سطور میں گزر چکی ہے، اس جملہ کا مقصد اسی بحث کی مزید تاکید ہے، کیونکہ بعض اہل بدعت کا یہ نظریہ ہے کہ اس کے معانی تو اللہ تعالی کی طرف سے ہیں البتہ الفاظ اللہ تعالی کے نہیں ہیں، اسی کے رد میں اہل سنت والجماعت نے قرآن کی تعریف میں ان الفاظ کو شامل کیا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ فَقَالَ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا قَوْلُ ٱلْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ ﴾ المدثر: ٢٤ — ٢٦

ترجمہ: "اور کہنے لگا یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے۔ سوائے انسانی کلام کے کچھ بھی نہیں۔ میں عنقریب اس کو دوزخ میں ڈالوں گا"۔

یعنی جو شخص یہ کہے کہ یہ اللہ تعالی کا کلام نہیں بلکہ انسانی کلام ہے یا جبریل علیہ السلام کا کلام ہے تو وہ یقیناً گمراہ ہے، کلام تو الفاظ اور معانی دونوں کا نام ہے، بلکہ کلام تو ہے ہی الفاظ کا مجموعہ، معانی تو ان الفاظ کا مقصد اور مفہوم ہوتے ہیں، تو اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اللہ تعالی کے نہیں ہیں تو گویا اس نے اقرار کیا کہ قرآن کلام اللہ نہیں ہے۔

☆ "اللہ ہی سے اس کی ابتداء ہے،": اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے، اللہ تعالی ہی سے نکلا ہے، کسی مخلوق سے نہیں، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾ ﴾ الواقعة: ٨٠

ترجمہ: " یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے"۔

☆ " اور اللہ کی طرف ہی اس نے لوٹ جانا ہے": اس جملہ سے علماء کی مراد یہ ہے کہ قرآن آخری دور میں لوگوں کے دلوں سے اور صفحات سے اٹھالیا جائے گا، جیسا کہ شداد بن معقل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یہ قرآن جو آج

تمہارے درمیان ہے یہ تم سے چھین لیا جائے گا" (شداد کہتے ہیں) میں نے پوچھا: یہ ہم سے کیسے چھین لیا جائے گا جبکہ اسے ہم نے اپنے دلوں میں ثبت کرلیا ہے اور صفحات میں تحریر کرلیا ہے؟، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ایک رات ایسی آئے گی کہ جب کسی بندے کے دل میں اور کسی بھی صفحہ پر قرآن کو باقی نہیں رہنے دیا جائے گا، اور لوگ قرآن کے بنا ایسے ہو جائیں گے جیسے جانور ہوتے ہیں، پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

﴿ وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ﴿٨٦﴾ ﴾

ترجمہ: "اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی آپ کی طرف ہم نے اتاری ہے سلب کرلیں، پھر آپ کو اس کے لئے ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی میسر نہ آسکے"۔[1]

یہ حدیث اگرچہ موقوف یعنی صحابی کا قول ہے، لیکن مرفوع کے حکم میں ہے؛ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب صحابی ایسی بات کہے جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو، جیسے مستقبل کے بارے میں کوئی بات کہنا، یا گزشتہ اقوام کے واقعات، یا جنت اور جہنم یا قیامت کے متعلق کسی چیز کی خبر دینا، تو ایسی حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے، یعنی گویا کہ یہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، کیونکہ کوئی صحابی اپنی طرف سے ایسی بات نہیں کرسکتا۔

☆ "اس کی تلاوت کرنا عبادت ہے": اس جملہ کے دو معنی ہیں:

(1) نماز میں اس کی تلاوت کی جاتی ہے، اور اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" یعنی اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔[2]

---

[1] مصنف عبدالرزاق (كتاب فضائل القرآن، باب تعاهد القرآن و نسيانه ، 5814)

[2] صحيح البخاري (كتاب الأذان و أبواب صفة الصلاة ، باب وجوب القراءة للإمام، 717)

(2) اس کی تلاوت پر اجر و ثواب ملتا ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''جس شخص نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اسے اس کے بدلہ ایک نیکی ملے گی اور یہ ایک نیکی دس کے برابر ہوگی''۔[1]

☆ '' اس کے الفاظ عاجز کر دینے والے ہیں'': اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں کفار کو یہ چیلنج کیا کہ وہ اس قرآن جیسی کوئی کتاب، کوئی کلام لے کر آئیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُۥ ۚ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا۟ بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِۦٓ إِن كَانُوا۟ صَٰدِقِينَ ﴿٣٤﴾ ﴾ الطور: ۳۳ — ۳٤

ترجمہ: ''کیا یہ کہتے ہیں اس نبی نے (قرآن) خود گھڑ لیا ہے، واقع یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ اچھا اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اس جیسی ایک (ہی) بات یہ (بھی) تو لے آئیں''۔

پھر اللہ تعالی نے تمام جن وانس کی عاجزی کو بیان فرمایا: ﴿ قُل لَّئِنِ ٱجْتَمَعَتِ ٱلْإِنسُ وَٱلْجِنُّ عَلَىٰٓ أَن يَأْتُوا۟ بِمِثْلِ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِۦ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾ ﴾ الإسراء: ۸۸

ترجمہ: '' کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں''۔

اور ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَإِن كُنتُمْ فِى رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِۦ وَٱدْعُوا۟ شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ وَلَن تَفْعَلُوا۟ ﴾ البقرة: ۲۳ — ۲٤

---

[1] سنن الترمذي (كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فيمن قرأ حرفا من كتاب الله، ۳۱۵۸)

ترجمہ: " ہم نے اپنے بندے پر جو کچھ اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ، تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلالو۔ پس اگر تم نے نہ کیا۔ اور تم ہرگز نہیں کر سکتے"۔

تو یہ اعجاز صرف اور صرف قرآن کا ہے کہ ساری کائنات مل کر بھی اس جیسا کلام لانے سے قاصر ہے۔

قرآن کی تعریف میں یہ جملہ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ احادیث قدسیہ کہ جن کا معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور الفاظ نبی ﷺ کے ہیں، یہ احادیث اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی وجہ سے احادیث قدسیہ کہلاتی ہیں لیکن یہ احادیث، قرآن کا درجہ نہیں رکھتیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام جن وانس کو جس کلام کے حوالہ سے چیلنج کیا ہے وہ قرآن ہے اور قرآن کے الفاظ ہیں، احادیث قدسیہ اس چیلنج میں داخل نہیں، تو اعجاز کی قید لگا کر ہم نے احادیث قدسیہ کو قرآن سے الگ کر دیا۔

☆ " بذریعہ تواتر منقول ہوا": اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ قرآن کا ہر ہر لفظ، بلکہ تمام حروف کو صحابہ کے جم غفیر نے روایت کیا ہے، پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تمام تابعین نے نقل کیا اسی طرح ہر دور میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے اسے اپنے آباء واجداد سے مختلف قراءات میں لیا اور آگے نقل کیا ہے، اسی کو تواتر کہتے ہیں۔

تواتر کی قید لگا کر ہم نے ان قراءات کو قرآن سے الگ کر دیا جو قراءات شاذہ کہلاتی ہیں، یعنی انہیں نقل کرنے والے بہت کم ہیں اور وہ قراءات معروف نہیں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بد طینت شخص قرآن کو اپنے مسلک کے موافق کرنے کے لئے اپنی مرضی کی کوئی قرأت بنا کر نہ لے آئے اور مسلمانوں کے درمیان قرآن کو متنازع نہ بنا دے۔ اسی لئے قراءات کے باب میں صرف مشہور قراءات پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے اور انہی کو قرآن قرار دیا گیا ہے۔

☆ " مصاحف میں لکھا ہوا ہے": یہ کہہ کر ہم نے ان آیات کو قرآن سے جدا کر دیا

جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے اور وہ اب قرآن کا حصہ نہیں ہیں، کیونکہ مصاحف میں وہی قرآن لکھا جاتا ہے جس کی تلاوت باقی ہو، چاہے اس کا حکم باقی ہو یا نہ ہو۔

☆ '' اس کی ابتداء سورۃ فاتحہ سے ہے اور اختتام سورۃ الناس پر ہے'': یہاں ابتداء واختتام سے مراد نزول میں ابتداء واختتام نہیں بلکہ مکتوب میں ہے، یعنی سورۃ فاتحہ سب سے پہلے نازل نہیں ہوئی بلکہ سب سے پہلی سورت نزول کے اعتبار سے سورت علق ہے، لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ لکھنے میں اور پڑھنے میں سب سے پہلے سورت فاتحہ اور سب سے آخر میں سورت الناس ہے۔

علماء کا اس حوالہ سے اختلاف ہے کہ موجودہ قرآن میں جو سورتوں کی ترتیب ہے وہ توقیفی ہے یا اجتہادی؟ یعنی یہ ترتیب اللہ تعالی اور نبی کریم ﷺ نے مقرر کی ہے، یا بعد میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن کو جمع کرتے وقت اپنے طور پر اجتہاد کر کے یہ ترتیب مقرر کی ہے؟۔

اس بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں، بعض نے کہا کہ یہ ترتیب اجتہادی ہے، بعض کا موقف ہے کہ کچھ سورتوں میں ترتیب توقیفی ہے، باقی میں اجتہادی ہے، لیکن جمہور علماء کا موقف ہے کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے، اس میں کسی قسم کا رد وبدل جائز نہیں، اور یہی قول اپنے دلائل کے لحاظ سے قوی اور راجح ہے، اس مختصر سی بحث میں ان دلائل کا تذکرہ ممکن نہیں البتہ مزید فائدہ کے لئے امام سیوطی کی کتاب ''الاتقان فی علم القرآن'' اور شیخ مناع القطان کی کتاب ''مباحث فی علوم القرآن'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

یہاں مذکورہ جملہ بھی اسی بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ قرآن کی سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے، اور قرآن وہی ہے جو سورۃ فاتحہ سے شروع ہو اور سورۃ الناس پر ختم ہو، اگر اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی جائے، یا کچھ حذف یا اضافہ کیا جائے تو اسے قرآن تصور نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

(2) قرآن کے نام وصفات:

مجد الدین فیروزآبادی اپنی کتاب ''بصائر ذوی التمییز'' میں فرماتے ہیں. ''جان لیجئے کہ

کسی چیز کے زیادہ نام ہونا اس چیز کے کسی خاص شرف اور کمال پر دلالت کرتا ہے، آپ یہی دیکھ لیں کہ شیر کے ایک سے زیادہ ناموں کا ہونا اس کی قوت پر دلالت کرتا ہے، قیامت کے کئی ناموں کا ہونا اس کی ہولناکی، شدت اور مشکلات کو بیان کرتا ہے، اللہ تعالی کے بیشمار اسماء حسنی کا ہونا اس کی کمال عظمت و جلالت کا مظہر ہے، اور نبی ﷺ کے مبارک نام آپ ﷺ کے بلند مرتبہ اور اعلی درجہ کی نشاندہی کرتے ہیں، اسی طرح قرآن کے اسماء کی کثرت اس کے شرف وفضیلت کی واضح دلیل ہے"۔

علوم القرآن کے مباحث میں قرآن کریم کے اسماء کا موضوع ایک ایسا اہم و دلچسپ موضوع ہے جس پر اہل علم کے قلم تحریر نے کئی فن پارے لکھ چھوڑے ہیں، اس موضوع کو علوم القرآن پر لکھنے والے مصنفین نے اپنی تحریروں میں خصوصی جگہ دی ہے، اور علوم القرآن پر بحث کرنے والوں نے خصوصی مقام دیا ہے جس سے اس موضوع کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔

اس موضوع پر لکھنے والے مصنفین کی دو اقسام ہیں:

(1) وہ اہل قلم جن کی تحریر کا مقصد تمام علوم القرآن کا احاطہ تھا، اور انہوں نے اسماء القرآن کو ایک باب کی حیثیت سے اپنی کتاب میں تحریر کیا۔

ان اہل علم میں:

- ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ (۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اسماء القرآن الکریم کے نام سے ایک خاص باب قائم کیا ہے۔
- نجم الدین عبد اللہ بن احمد النسفی رحمۃ اللہ علیہ (۵۳۷ھ) نے اپنی تفسیر "التیسیر فی التفسیر" کے مقدمہ میں قرآن کریم کے سو نام ذکر کئے ہیں۔
- شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) نے مجموع الفتاوی میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔

- محمد بن عبداللہ بہادر زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (۷۹۴ھ) نے اپنی کتاب "البرھان فی علوم القرآن" میں علوم القرآن کی انواع میں سے پندرہویں نوع میں اس موضوع کو قلمبند کیا ہے۔
- مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی رحمۃ اللہ علیہ (۸۱۷ھ) نے اپنی تفسیر "بصائر ذوی التمییز" میں اس موضوع پر لکھا ہے۔
- عبدالرحمن بن محمد الثعالبی رحمۃ اللہ علیہ (۸۷۵ھ) نے اپنی تفسیر "تفسیر الثعالبی" میں اس موضوع پر الگ سے باب قائم کیا ہے۔
- عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں علوم القرآن کی ساتویں نوع کے تحت اس موضوع پر بحث کی ہے۔

(2) وہ اہل علم جنہوں نے اس اہم موضوع پر الگ سے کتابیں تحریر کیں۔

ان اہل علم میں:

- علی بن احمد التجیبی رحمۃ اللہ علیہ (۶۴۷ھ)۔
- ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ (۷۵۱ھ) نے کتاب "شرح اسماء الکتاب العزیز" تحریر کی۔

اور معاصرین علماء میں سے:

- صالح بن ابراہیم البلیہی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۱۰ھ) نے کتاب "الھدی والبیان فی علوم القرآن" تحریر کی۔
- ڈاکٹر خمساوی الخمساوی کی کتاب "اسماء القرآن فی القرآن"۔
- عطیہ محمد الفرحانی کی کتاب "اسماء القرآن وصفاتہ"۔

ان تمام کتب سے قرآن کریم کے اسماء وصفات کی بحث کی اہمیت و عظمت کا علم ہوتا ہے کہ ان علماء نے کتنی محنت اور کوشش سے اس موضوع پر تحقیق کی اور مذکورہ کتب تحریر کیں۔

اسماء القرآن:

قرآن کریم کے نام وصفات کو ذکر کرنے سے پہلے اس بارے میں چند اہم معلومات کا جاننا ضروری ہے، اور وہ یہ ہیں:

- تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کے اسماء توقیفی ہیں [①]، یعنی قرآن کریم کے لئے صرف وہی نام استعمال کیا جائیگا جو قرآن یا حدیث میں مذکور ہو، جہاں تک صفات کا تعلق ہے تو قرآن کی بہترین صفات وہی ہیں جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں، البتہ قرآن کی کوئی ایسی صفت بیان کرنا جس سے اس کی تعریف کا کوئی پہلو بیان ہو تو ایسی صفات سے قرآن مجید کو متصف کرنا جائز ہے، یعنی قرآن کی صفات میں اجتہاد جائز ہے۔
- قرآن کریم کے اسماء کے حوالہ سے بحث کرنے والے علماء کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ قرآن کریم کے کتنے نام ہیں؟، بعض علماء نے بہت کم ناموں پر اکتفاء کیا ہے جیسے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کے صرف چار نام ذکر کئے ہیں، اور بعض علماء نے قرآن کے بہت سے نام ذکر کئے ہیں، جیسا کہ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کے سو نام ذکر کئے ہیں، اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جن علماء نے کم ناموں پر اکتفاء کیا ہے ان کے نزدیک باقی نام قرآن کے اسماء نہیں بلکہ صفات ہیں، ان علماء کے نزدیک قرآن کے اسماء صرف قرآن ہی میں بیان ہوئے ہیں، احادیث میں صرف قرآن کے اوصاف مذکور ہیں۔

اسی قول کو احوط واولی سمجھتے ہوئے ہم نے قرآن کے اسماء کی دو اقسام بنائیں ہیں:

(أ): وہ نام جنہیں اللہ تبارک و تعالی نے قرآن کے لئے بطور عَلَم (خاص نام) کے استعمال کیا ہے۔

(ب): وہ نام جنہیں اللہ تعالی نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کے لئے بطور صفات

---

① علوم القرآن للفهد الرومي (27)

کے استعمال کیا ہے، انہیں ہم قرآن کے صفاتی نام بھی کہہ سکتے ہیں۔

(1) قرآن کے لئے مختص اسماء:

یہ بالاتفاق تین نام ہیں:

١ . القرآن: لفظ قرآن کی لغوی بحث مضمون کی ابتداء میں گزر چکی ہے، یہ کلام اللہ کا ایسا نام ہے جو کسی اور کے لئے کبھی استعمال نہیں کیا گیا، جبکہ کلام اللہ کے دیگر نام مشترک ہیں یعنی کسی اور کے لئے بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں جیسا کہ آگے ذکر ہوگا۔

کلام الٰہی میں لفظ قرآن انہتر (٦٩) مرتبہ ذکر ہوا ہے، اور تمام جگہوں پر بطور نام کے مذکور ہے سوائے چار مقامات کے، اور وہ مقامات یہ ہیں:

﴿ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ ٱلشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ ٱلَّيْلِ وَقُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿٧٨﴾ ﴾ الإسراء: ٧٨

ترجمہ: ”نماز کو قائم کریں آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک اور فجر کا پڑھنا بھی یقیناً فجر کے وقت کا پڑھنا حاضر کیا گیا“۔

﴿ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُۥ وَقُرْءَانَهُۥ ﴿١٧﴾ فَإِذَا قَرَأْنَٰهُ فَٱتَّبِعْ قُرْءَانَهُۥ ﴿١٨﴾ ﴾ القيامة: ١٧ — ١٨

ترجمہ: ”اسکا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں“۔

باقی تمام مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مختلف سیاق میں اپنے کلام کو قرآن کہا ہے، چند آیات درج ذیل ہیں:

- ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ ﴾ البقرة: ١٨٥

  ترجمہ: ” ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا“۔

- ﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ ﴾ النساء: ٨٢

ترجمہ: " کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے ؟"۔

- ﴿ وَإِن تَسْـَٔلُواْ عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ ٱلْقُرْءَانُ تُبْدَ لَكُمْ ﴾ المائدۃ: ۱۰۱

ترجمہ: " اور اگر تم زمانہ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی"۔

- ﴿ وَإِذَا قُرِئَ ٱلْقُرْءَانُ فَٱسْتَمِعُواْ لَهُۥ وَأَنصِتُواْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾ ﴾

ترجمہ: " اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو"۔

۲۔ الکتاب: کتاب کا مصدر "کتب" ہے جس کا مطلب ہے جمع کرنا، ملا دینا۔ کتاب کو کتاب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کاتب اس میں حروف اور الفاظ کو ملا کر لکھتا ہے، قرآن کریم کو بھی اسی لئے کتاب کہا جاتا ہے کہ اس میں دو گتوں کے درمیان آیات اور سورتیں جمع کر دی گئی ہیں، لیکن یہ اسم مشترک ہے، یعنی کسی اور کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تورات و انجیل کے لئے بھی لفظ "کتاب" استعمال کیا ہے، اسی طرح چند صفحات کو بھی ہم کتاب کہتے ہیں

کلام الٰہی کے اسماء میں سے یہ ایسا نام ہے جو سب سے زیادہ مرتبہ قرآن میں بطور علم کے ذکر کیا گیا ہے، یعنی تقریباً سو (۲۰۰) مرتبہ، ان میں سے چند مقامات یہ ہیں:

- ﴿ ذَٰلِكَ ٱلْكِتَـٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٢﴾ ﴾ البقرۃ:

ترجمہ: "اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے"۔

- ﴿ وَأَنزَلَ ٱللَّهُ عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ﴾

ترجمہ: " اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور تجھے وہ سکھایا ہے جسے تو

نہیں جانتا تھا‘‘۔

- ﴿ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ ٱلْكِتَٰبَ وَلَمْ يَجْعَل لَّهُۥ عِوَجَا ۜ ﴿١﴾ ﴾

ترجمہ: ’’ تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اتارا اور اس میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی‘‘۔

- ﴿ تَنزِيلُ ٱلْكِتَٰبِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٢﴾ ﴾ السجدۃ: ۲

ترجمہ: ’’ بلاشبہ اس کتاب کا اتارنا تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے‘‘۔

. الفرقان: یہ لفظ ’’فرق‘‘ سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے چیزوں کے درمیان فاصلہ کرنا۔ قرآن مجید کو فرقان اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرتا ہے۔ یہ نام بھی ’’کتاب‘‘ کی طرح مشترک نام ہے، کیونکہ قرآن میں یہ لفظ سات مقام پر ذکر ہوا ہے، ان میں سے دو جگہ پر یہ تورات کے لئے، ایک مقام پر یوم بدر کے لئے، اور تین مقامات پر قرآن کے نام کے طور پر استعمال ہوا۔ وہ تین مقامات درج ذیل ہیں:

- ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَٰتٍ مِّنَ ٱلْهُدَىٰ وَٱلْفُرْقَانِ ﴾ البقرۃ: ۱۸۵

ترجمہ: ’’ ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں‘‘۔

- ﴿ تَبَارَكَ ٱلَّذِى نَزَّلَ ٱلْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِۦ لِيَكُونَ لِلْعَٰلَمِينَ نَذِيرًا ﴿١﴾ ﴾

ترجمہ: ’’ بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالی جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے لئے آگاہ کرنے والا بن جائے‘‘۔

- ﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ ﴿٣﴾ مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ ٱلْفُرْقَانَ ﴾ آل عمران: ۳ – ۴

ترجمہ:"جس نے آپ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل فرمایا جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والی ہے اسی اس سے پہلے تورات اور انجیل کو اتارا تھا۔ اس سے پہلے لوگوں کو ہدایت کرنے والی بنا کر اور فرقان بھی اسی نے اتارا"۔

(2) قرآن کے صفاتی نام:

یعنی وہ نام جو قرآن وحدیث میں بطور صفت کے مذکور ہیں، اور جنہیں بعض علماء نے قرآن کریم کے نام قرار دیا ہے۔ ان ناموں کی تعداد میں علماء کے ہاں بہت تفاوت ہے، کسی نے سو (۱۰۰) ذکر کئے ہیں جیسا کہ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، کسی نے پچپن (۵۵) نام ذکر کئے ہیں جیسا کہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

میرا اس باب میں منہج یہ ہوگا کہ میں وہ نام ذکر کروں گا جسے، امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، مجد الدین فیروزآبادی رحمۃ اللہ علیہ، امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، اور شیخ صالح البلیہی میں سے اکثر علماء نے نقل کیا ہوگا، ان اسماء کو ہم دو اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(أ) : وہ نام جو قرآن میں مذکور ہیں۔

یہ تقریباً پچاس (۵۰) نام ہیں جن میں سے تین نام گزشتہ بحث میں گزر چکے ہیں۔

(ب) وہ نام جو احادیث میں مذکور ہیں۔ یہ چھ نام ہیں۔

ان دونوں اقسام میں ہم اسماء کو حروف معجم کی ترتیب میں ذکر کریں گے، یعنی وہ نام جو الف سے ہوگا اسے "ب" والے نام سے پہلے ذکر کیا جائے گا، اسی طرح آگے بھی، اور ہر نام کے بعد ایک آیت یا حدیث بھی بطور دلیل کے پیش کی جائیگی۔

❁ وہ صفاتی نام جو قرآن میں مذکور ہیں:

1) أحسن الحديث:

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ﴾ الزمر: ۲۳

ترجمہ:" اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے"۔

۲) أحسن القصص:

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ ﴾

ترجمہ: "ہم آپ کے سامنے بہترین بیان پیش کرتے ہیں اس وجہ سے کہ ہم نے آپ کی جانب یہ قرآن وحی کے ذریعے نازل کیا"۔

3) برهان:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ ﴾ النساء: ۱۷٤

ترجمہ: " اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آ پہنچی"۔

4) بشری:

﴿ طس ۚ تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿١﴾ هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾

ترجمہ: " طس، یہ آیتیں ہیں قرآن کی (یعنی واضح) اور روشن کتاب کی۔ ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے لئے"۔

5) بشیر:

﴿ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٣﴾ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ﴾

ترجمہ: " ایسی کتاب جس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے (اس حال میں کہ) قرآن عربی زبان میں ہے۔ اس قوم کے لئے جو جانتی ہے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے"۔

6) بصائر:

﴿ قَدْ جَاءَكُم بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ ﴾ الأنعام: ۱۰٤

ترجمہ: " اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں"۔

7) بلاغ:

﴿ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿١٠٦﴾ ﴾ الأنبياء: ١٠٦

ترجمہ: ” عبادت گزار بندوں کے لئے تو اس میں ایک بڑا پیغام ہے “۔

8) بیان:

﴿ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾ ﴾ آل عمران: ١٣٨

ترجمہ: ” عام لوگوں کے لئے تو یہ (قرآن) بیان ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے “۔

9) تبیان:

﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ ﴾ النحل: ٨٩

ترجمہ: ” اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے “۔

10) تذکرۃ:

﴿ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ ﴿٢﴾ إِلَّا تَذْكِرَةً لِمَنْ يَخْشَىٰ ﴾

ترجمہ: ”ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے۔ بلکہ اس کی نصیحت کے لئے جو اللہ سے ڈرتا ہے “۔

11) تصدیق:

﴿ وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾

ترجمہ: ” اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ (کی وحی) کے بغیر (اپنے ہی سے) گھڑ لیا گیا ہو۔ بلکہ یہ تو (ان کتابوں کی) تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے قبل نازل ہو چکی ہیں “۔

12) تنزیل:

﴿ وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ ﴾ الشعراء: ١٩٢

ترجمہ: ” اور بیشک وشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے “۔

13) حبل (اللہ):

﴿ وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعٗا وَلَا تَفَرَّقُواْۚ ﴾ آل عمران: ۱۰۳

ترجمہ: '' اللہ تعالٰی کی رسی کو سب ملکر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو''۔

14) حق:

﴿ وَكَذَّبَ بِهِۦ قَوۡمُكَ وَهُوَ ٱلۡحَقُّۚ ﴾ الأنعام: ٦٦

ترجمہ: '' اور آپ کی قوم اس کی تکذیب کرتی ہے حالانکہ وہ حق ہے''۔

15) حکم:

﴿ وَكَذَٰلِكَ أَنزَلۡنَٰهُ حُكۡمًا عَرَبِيّٗاۚ ﴾ الرعد: ۳۷

ترجمہ: ''اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں حُکَم بنا کر اتارا ہے''۔

16) حکمة:

﴿ ذَٰلِكَ مِمَّآ أَوۡحَىٰٓ إِلَيۡكَ رَبُّكَ مِنَ ٱلۡحِكۡمَةِۗ ﴾ الإسراء: ۳۹

ترجمہ: ''یہ سب حکمت کی باتیں ہیں جو آپ کے پروردگار نے آپ کی طرف وحی کی ہیں''۔

17) حکیم:

﴿ وَإِنَّهُۥ فِيٓ أُمِّ ٱلۡكِتَٰبِ لَدَيۡنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ ۝٤ ﴾ الزخرف: ٤

ترجمہ: '' یقیناً یہ لوح محفوظ میں ہے اور ہمارے نزدیک بلند مرتبہ حکمت والی ہے''۔

18) ذکر:

﴿ وَهَٰذَا ذِكۡرٞ مُّبَارَكٌ أَنزَلۡنَٰهُۚ أَفَأَنتُمۡ لَهُۥ مُنكِرُونَ ۝٥٠ ﴾ الأنبياء: ٥٠

ترجمہ: ''اور یہ نصیحت اور برکت والا قرآن بھی ہم نے نازل فرمایا ہے کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو''۔

19) ذکری:

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٠﴾﴾ الأنعام: ٩٠

ترجمہ: " یہ تو صرف تمام جہان والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے"۔

20) رحمۃ:

﴿وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾﴾ النحل: ٦٤

ترجمہ: " اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لئے اتارا ہے کہ آپ ان کے لئے ہر اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور یہ ایمان داروں کے لئے راہنمائی اور رحمت ہے"۔

21) روح:

﴿وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾ الشوری: ٥٢

ترجمہ: " اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے"۔

22) شفاء:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ الإسراء: ٨٢

ترجمہ: " یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لئے تو سراسر شفا اور رحمت ہے"۔

23) صدق:

﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿٣٣﴾﴾

ترجمہ: " اور جو شخص سچی بات لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ پرہیز گار ہیں"۔

24) صراط مستقیم:

﴿ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِي مُسْتَقِيمًا فَٱتَّبِعُوهُ ﴾ الأنعام: ١٥٣

ترجمہ: "اور بلاشبہ یہی میری سیدھی راہ ہے لہٰذا اسی پر چلتے جاؤ"۔

25) عربي:

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝٢ ﴾ یوسف: ٢

ترجمہ: "ہم نے قرآن کو عربی زبان میں اس لئے نازل کیاہے تاکہ تم اسے سمجھ سکو"۔

26) عزیز:

﴿ وَإِنَّهُۥ لَكِتَٰبٌ عَزِيزٌ ۝٤١ ﴾ فصلت: ٤١

ترجمہ: "حالانکہ یہ ایک زبردست کتاب ہے"۔

27) علم:

﴿ وَلَئِنِ ٱتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم بَعْدَ ٱلَّذِي جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝١٢٠ ﴾ البقرة: ١٢٠

ترجمہ: "اور اگر آپ علم آجانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے تو آپ کو اللہ سے بچانے والا کوئی حمایتی یا مددگار نہ ہوگا"۔

28) فصل:

﴿ إِنَّهُۥ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝١٣ ﴾ الطارق: ١٣

ترجمہ: "بیشک یہ (قرآن) البتہ دوٹوک فیصلہ کرنے والا کلام ہے"۔

29) قصص:

﴿ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ ٱلْقَصَصُ ٱلْحَقُّ ﴾ آل عمران: ٦٢

ترجمہ: '' یہ بالکل سچے واقعات ہیں''۔

30) قول:

﴿ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ ٱلْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾ ﴾ القصص: ٥١

ترجمہ: '' اور ہم انہیں لگاتار (نصیحت کی) باتیں پہنچاتے رہے ہیں''۔

31) قیم:

﴿ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ ٱلْكِتَٰبَ وَلَمْ يَجْعَل لَّهُۥ عِوَجَا ﴿١﴾ قَيِّمًا ﴾

ترجمہ: '' تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے سزاوار ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اتارا اور اس میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ یہ سیدھا راستہ بتانے والی کتاب ہے''۔

32) کریم:

﴿ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ ﴾ الواقعة: ٧٧

ترجمہ: ''کہ بیشک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے''۔

33) کلام اللہ:

﴿ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ٱسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَٰمَ ٱللَّهِ ﴾

ترجمہ: '' اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے''۔

34) مبارک:

﴿ وَهَٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَٰهُ ﴾ الأنبياء: ٥٠

ترجمہ: '' اور یہ نصیحت اور برکت والا قرآن بھی ہم نے نازل فرمایا ہے''۔

35) مبین:

﴿ الٓر تِلْكَ ءَايَٰتُ ٱلْكِتَٰبِ ٱلْمُبِينِ ﴿١﴾ ﴾ یوسف: ۱

ترجمہ: ” یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو ہر بات وضاحت سے بیان کرتی ہے “۔

36) متشابہ:

﴿ ٱللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ ٱلْحَدِيثِ كِتَٰبًا مُّتَشَٰبِهًا ﴾ الزمر: ۲۳

ترجمہ: ”اللہ نے بہترین کلام نازل کیا جو ایسی کتاب ہے جس کے مضامین ملتے جلتے“۔

37) مثانی:

﴿ ٱللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ ٱلْحَدِيثِ كِتَٰبًا مُّتَشَٰبِهًا مَّثَانِىَ ﴾ الزمر: ۲۳

ترجمہ: ”اللہ نے بہترین کلام نازل کیا جو ایسی کتاب ہے جس کے مضامین ملتے جلتے اور بار بار دہرائے جاتے ہیں“۔

38) مجید:

﴿ بَلْ هُوَ قُرْءَانٌ مَّجِيدٌ ﴿٢١﴾ ﴾ البروج: ۲۱

ترجمہ: ” بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان والا“۔

39) مصدق:

﴿ وَهَٰذَا كِتَٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا ﴾ الأحقاف: ۱۲

ترجمہ: ” اور یہ کتاب ہے تصدیق کرنے والی عربی زبان میں“۔

40) مفصل:

﴿ وَهُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ إِلَيْكُمُ ٱلْكِتَٰبَ مُفَصَّلًا ﴾ الأنعام: ۱۱۴

ترجمہ: ” حالانکہ اسی نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے“۔

(41 منزل:

﴿ أَنَّهُۥ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِٱلْحَقِّ ﴾ الأنعام: ١١٤

ترجمہ: "یہ کتاب آپ کے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے"۔

(42 مھیمن:

﴿ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾ المائدة: ٤٨

ترجمہ: " اور ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اس کی جامع و نگران بھی ہے"۔

(43 موعظة:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ﴾ یونس: ٥٧

ترجمہ: "لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آچکی"۔

(44 نذیر:

﴿ كِتَٰبٌ فُصِّلَتْ ءَايَٰتُهُۥ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٣﴾ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ﴾

ترجمہ: " ایسی کتاب جس کی آیات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں ، عربی زبان میں ہے اور ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے"۔

(45 نور:

﴿ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿١٧٤﴾ ﴾ النساء: ١٧٤

ترجمہ: "اور ہم نے تمہاری طرف صاف صاف راہ دکھانے والا نور (قرآن کریم) نازل کیا ہے"۔

46) هدی:

﴿ ذَٰلِكَ ٱلْكِتَٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝٢ ﴾ البقرة: ۲

ترجمہ: "یہ ایسی کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں، اس میں ان ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے"۔

47) وحي:

﴿ قُلْ إِنَّمَآ أُنذِرُكُم بِٱلْوَحْيِ ﴾ الأنبياء: ۴۵

ترجمہ: "آپ ان سے کہیے کہ میں تو وحی کے ذریعہ ہی تمہیں ڈراتا ہوں"۔

آئندہ شمارہ میں انشاءاللہ قرآن مجید کے وہ صفاتی نام جو احادیث میں مذکور ہیں، اور قرآن مجید کی صفات اور عظمت و اعجاز القرآن کے حوالہ سے گفتگو ہو گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انکار حدیث سے انکار دین تک

حدیثِ رسول ﷺ کے انکار سے صرف حدیث ہی کا انکار لازم نہیں آتا بلکہ معاملہ بہت آگے بڑھ جاتا ہے مسئلہ نہایت حسّاس ہونے کے ساتھ ساتھ علمی بھی ہے جسے قدرِ تفصیل سے سمجھانے کے لیے ہم ایک روایت پیش کرتے ہیں۔

حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبد الرحمن بن مهدی حدثنا معاوية بن صالح عن الحسن ابن جابر اللخمی عن المقدام بن معديكرب قال: قال رسول الله ﷺ الا هل عسى رجل يبلغه الحديث عنه وهو متكئ على اريكته فيقول بيننا وبينكم كتاب الله فما وجدنا فيه حلالاً استحللناه وما وجدنا فيه حراماً حرمناه وإن ما حرم رسول الله ﷺ كما حرم الله[1]

ترجمہ: محمد بن بشار فرماتے ہیں کہ ہمیں عبد الرحمن بن مہدی نے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معاویہ بن صالح نے حسن بن جابر اللخمی سے انہوں نے مقدام بن معدیکرب سے حدیث بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: خبر دار (ایک وقت آئے گا) کہ ایک آدمی تک میری حدیث پہنچے گی اور وہ اپنے مسند پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا اور وہ کہے گا: کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے پس اس میں ہم جو حلال پائیں گے انہیں حلال سمجھیں گے اور اس میں جو حرام پائیں گے اسے حرام سمجھیں گے (جبکہ) جو رسول اللہ ﷺ نے حرام کردیا وہ اسی طرح حرام ہے جیساکہ اللہ تعالی نے حرام کردیا۔

درج ذیل سند ومتن کے ساتھ یہی روایت سنن ابی داود میں ان الفاظ

---

1 جامع ترمذی، کتاب العلم، باب ما نہی عنہ ان یقال رسول اللہ ﷺ، حدیث: ۲۶۶۴۔

سے مروی ہے۔

حدثنا عبد الوهاب بن نجدة اخبرنا ابو عمرو بن كثير بن دينار عن خريز بن عثمان عن عبد الرحمن ابن ابی عوف عن المقدام بن معديكرب عن رسول الله ﷺ أنه قال: ألا إنی أوتيت الكتاب ومثله معه، ألا يوشك رجل شبعان على أريكته يقول: عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فأحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه۔ ألا ، لا يحل لكم الحمار الأهلى ولا كل ذى ناب من السبع ولا لقطة معاهد إلا أن يستغنى عنها صاحبها، ومن نزل بقوم فعليهم أن يقروه فإن لم يقروه فله أن يعقبهم بمثل قراه[1]۔

نیز یہی روایت ابن ماجہ میں کچھ اس طرح ہے۔

حدثنا ابو بكر ابن ابی شيبة حدثنا زيد بن حباب عن معاوية بن صالح حدثنی الحسن بن جابر عن المقدام بن معديكرب الكندى أن رسول الله ﷺ قال: يوشك الرجل متكئا على أريكته يحدث بحديث من حديثی فيقول: بيننا وبينكم كتاب الله عزوجل۔ فما وجدنا فيه من حلال استحللناه، وما وجدنا فيه من حرام حرمناه، ألا وإن ما حرم رسول الله ﷺ مثل ما حرم الله۔[2]

اس روایت کو درج ذیل محدثین نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے :

۱۔ابن ابی شیبہ (سن وفات: ۲۳۵ ھ) نے اپنی "مصنف" میں روایت کیا۔

۲۔امام احمد بن حنبل (سن وفات: ۲۴۱ھ) نے اپنی مسند احمد میں روایت کیا۔

۳۔ محمد بن عیسیٰ ترمذی (سن وفات: ۲۵۶ ھ) نے اپنی جامع ترمذی میں روایت کیا۔

۴۔امام ابو داؤد سجستانی نے اپنی سنن ابی داؤد میں روایت کیا۔

۵۔ امام ابن ماجہ قزوینی (سن وفات: ۲۷۵ھ) نے اپنی سنن ابن ماجہ میں

---

1 سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، باب فی لزوم السنہ، حدیث نمبر ۴۶۰۴

2 سنن ابن ماجہ، کتاب السنہ، باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ والتغلیظ علی من عارضہ، حدیث نمبر ۱۲

روایت کیا۔

٦۔امام طحاوی نے (سن وفات: ٣٢١ھ) شرح معانی الآثار میں روایت کیا۔

٧۔ امام ابن ابی حاتم حبّان (سن وفات: ٣٥٤ھ) نے اپنی صحیح ابن حبان میں روایت کیا۔

٨۔ سلیمان بن احمد طبرانی (سن وفات: ٣٦٠ھ) نے معجم طبرانی کبیر میں روایت کیا۔

٩۔ سلیمان بن احمد طبرانی (سن وفات: ٣٦٠ھ) نے مسند الشامیین میں روایت کیا۔

١٠۔ امام دار قطنی (سن وفات: ٣٨٥ھ) نے اپنی سنن دار قطنی میں روایت کیا۔

جابر بن عبد اللہ سے مروی روایت کو: ابو یعلیٰ موصلی (سن وفات: ٣٥٧ ھ) نے اپنی مسند ابی یعلیٰ میں روایت کیا۔

عرباض بن ساریہ سے مروی روایت کو:

١۔ سلیمان بن احمد طبرانی (سن وفات: ٣٦٠ھ) نے معجم طبرانی اوسط میں روایت کیا۔

٢۔امام بیہقی (سن وفات: ٤٥٨ ھ) نے اپنی سنن الکبریٰ میں روایت کیا۔

خالد بن ولید سے مروی روایت کو: سلیمان بن احمد طبرانی (سن وفات: ٣٦٠ھ) نے معجم طبرانی کبیر میں روایت کیا۔

سہل بن سعد سے مروی روایت کو: سلیمان بن احمد طبرانی (سن وفات: ٣٦٠ھ) نے معجم طبرانی کبیر میں روایت کیا۔

اسلم ابو رافع سے مروی روایت کو:

١۔امام شافعی (سن وفات: ٢٠٤ ھ) نے کتاب الام میں روایت کیا۔

۲۔امام شافعی (سن وفات: ۲۰۴ھ) نے اپنی مسند شافعی میں بھی روایت کیا۔
۳۔امام احمد (سن وفات: ۲۴۱ھ) نے اپنی مسند احمد میں روایت کیا۔
۴۔ محمد بن عیسیٰ ترمذی (سن وفات: ۲۵۶ھ) نے اپنی جامع ترمذی میں روایت کیا۔
۵۔ امام ابو داؤد سجستانی (سن وفات: ۲۷۵ھ) نے اپنی سنن ابی داود میں روایت کیا۔
۶۔ امام ابن ماجہ قزوینی (سن وفات: ۲۷۵ھ) نے اپنی سنن ابن ماجہ میں روایت کیا۔
۷۔امام طحاوی نے (سن وفات: ۳۲۱ھ) شرح معانی الآثار میں روایت کیا۔
۸۔ امام ابو حاتم ابن حبّان (سن وفات: ۳۵۴ھ) نے اپنی صحیح ابن حبان میں روایت کیا۔
۹۔ سلیمان بن احمد طبرانی (سن وفات: ۳۶۰ھ) نے معجم طبرانی کبیر میں روایت کیا۔
۱۰۔ سلیمان بن احمد طبرانی (سن وفات: ۳۶۰ھ) نے معجم طبرانی اوسط میں روایت کیا۔
۱۱۔ امام حاکم (سن وفات: ۴۰۵ھ) نے مستدرک علی الصحیحین میں روایت کیا۔
۱۲۔امام بیہقی (سن وفات: ۴۵۸ ھ) نے سنن الکبریٰ بیہقی میں روایت کیا۔
نیز: امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور معرفۃ السنن والآثار میں ذکر کیا۔
۱۳۔ امام حاکم (سن وفات: ۴۰۵ھ) نے مستدرک علی الصحیحین میں روایت کیا۔
۱۴۔ابن عبد البر (سن وفات: ۴۶۳ھ) نے التمہید میں روایت کیا۔

۱۵۔ محمد بن موسیٰ الحازمی (سن وفات: ۵۸۴ھ) نے الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار میں روایت کیا۔

نوٹ: ابو رافع کا نام اسلم ہے یہ نبی کریم ﷺ کے غلام تھے جیساکہ امام ترمذی نے تصریح کی ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ذخیرہ احادیث کی کتب کثیرہ میں موجود ہے۔ مزید تشفیر اوفائدے کے لیے اس حدیث کے مزید راویوں کا بھی ذکر کیے دیتے ہیں۔ بطورِ شواہد کے اس حدیث کو آٹھ ۸ صحابہ نے روایت کیا ہے جن کا اوپر تخریج کے ضمن میں ذکر ہوچکا ہے دوبارہ ایک مرتبہ ان کا ترتیب سے اعادہ کیے دیتے ہیں۔

۱۔مقدام بن معدیکرب

۲۔عبد الرحمن بن صخر

۳۔جابر بن عبد اللہ

۴۔ابن عمر

۵۔عرباض بن ساریہ

۶۔خالد بن ولید

۷۔سہیل بن سعد

۸۔اسلم (ابو رافع)

ان صحابہ سے مروی اس حدیث کو جن محدثین نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے ان کا ذکر بھی تفصیلاً تخریج کے ضمن میں گزرچکا ہے۔

اس حدیث کا حکم:

اس حدیث کو علامہ البانی، امام حاکم، امام ذہبی، شیخ مصطفیٰ سید، شیخ محمد فضل عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ نیز ہمارے

علم کے مطابق عصرِ حاضر کے جید علماء سے بھی اس کی تضعیف ثابت نہیں۔

سند کی تحقیق:

ذیل میں جامع ترمذی کی سند کے رواۃ کی تحقیق پیش کی جاتی ہے

۱ - محمد بن بشار بن عثمان بن داؤد بن کیسان العبری ابو بکر الحافظ البصری بُندار

قال العجلی: ثقة- قال ابو حاتم: صدوق- قال النسائی: صالح لا بأس به- قال ابن خزیمة: امام أهل زمانه محمد بن بشار-

قال البخاری فی صحیحه: کتب إلی بُندار فذکر حدیثاً مسنداً-

حافظ ابن حجر نے یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھا:

ولولا شدة وثوقه ما حدث عنه بالمکاتبة مع أنه فی الطبقة الرابعة من شیوخه-

قال مسلمة بن قاسم: ثقة-

قال الدارقطنی: من الحفاظ الاثبات- قال الذهبی: ثقة صدوق- قال الحافظ: ثقة-

خلاصہ: مذکورہ ائمہ کے نزدیک محمد بن بشار جن کا لقب بندار ہے ثقہ ہیں اپنے دور کے امام ہیں طبقاتِ محدثین میں ان کا شمار چوتھے طبقے سے ہوتا ہے۔ درج ذیل کتب میں ان کا ترجمہ وتذکرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

تهذیب الکمال: ۲۴۷/۶، تهذیب التهذیب: ۴۹۵/۵، تقریب التهذیب: ۱۵۶/۲، الجرح والتعدیل: ۱۱۸۷/۷، میزان الاعتدال: ۴۷۱/۳، کتاب الثقات لابن حبان: ۱۱۱/۹۔

۲۔عبد الرحمن بن مهدی بن حسان بن عبد الرحمن العنبری

قال محمد بن سعد: کان ثقة کثیر الحدیث- قال احمد بن حنبل: إذا حدث عبد الرحمن بن مهدی عن رجل فهو حجة-

(یعنی: جب عبد الرحمن بن مہدی کسی آدمی (مجہول سے بھی) روایت کریں تو وہ حجت ہے)۔

قال یحیی بن سعید: ما سمع عبد الرحمن بن مهدی من سفیان عند الاعمش أحب إلی

مما سمعت انا من الاعمش۔

(اس سند کے مقابلے میں میری سند کہ میں (یحییٰ بن سعید) اعمش سے (بلا واسطہ روایت کرو) یعنی میری سند عالی سے عبد الرحمن بن مہدی کی نازل سند) میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔

قال علی بن مدینی: اعلم الناس بالحدیث عبد الرحمن بن مہدی۔

یعنی لوگوں میں حدیث کے سب سے بڑے عالم عبد الرحمن بن مہدی ہیں۔

قال ابو حاتم: عبد الرحمن بن مہدی اثبت اصحاب حماد بن زید وہو امام ثقة اثبت من یحیی بن سعید واتقن من وکیع۔

یعنی عبد الرحمن بن مہدی حماد بن زید کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ثابت ہیں اور وہ امام، ثقہ ہیں اور یحییٰ بن سعید سے زیادہ ثابت اور وکیع بن جراح سے زیادہ متقن۔

خلاصہ: مذکورہ ائمہ کے نزدیک عبد الرحمٰن بن مہدی ثقہ، اثبت اور حجت ہیں۔

درج ذیل کتب میں ان کا ترجمہ وتذکرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

تہذیب الکمال: ۴۷۶/۴۶، تہذیب التہذیب: ۱۳۷/۴، تقریب التہذیب: ۴۶۳/۱۲، الجرح والتعدیل: ۱۳۸۲/۵۷، خلاصۃ تہذیب الکمال: ۲/۱۸۷، کتاب الثقات لابن حبان: ۳۸۳/۸۔

۳۔ معاویۃ بن صالح بن جدیر بن سعید بن سعد بن فہد الحضیری

قال احمد: ثقة۔ قال یحیی بن معین: ثقة۔ عبد الرحمن بن مہدی یوثقہ۔

قال العجلی والنسائی: ثقة۔ قال ابو زرعة: محدث ثقة۔ قال محمد بن سعد: ثقة۔ قال ابن خراش: ثقة۔ ذکرہ ابن حبان فی الثقات۔

خلاصہ: مذکورہ ائمہ کے نزدیک معاویہ بن صالح ثقہ ہیں۔

درج ذیل کتب میں ان کا ترجمہ وتذکرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

تہذیب الکمال: ۱۵۶/۷، تہذیب التہذیب: ۳۴۳/۶، تقریب التہذیب: ۲۶۵/۲، خلاصۃ تہذیب الکمال: ۱۱۱/۳، کتاب الثقات لابن حبان: ۴۷۰/۷۔

۴۔ حسن بن جابر اللخمی

ذکرہ ابن حبان فی الثقات۔ قال ابن حجر: مقبول من الثالثۃ۔

خلاصہ: مذکورہ ائمہ کے نزدیک حسن بن جابر ثقہ ہیں۔

درج ذیل کتب میں ان کا ترجمہ وتذکرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

تہذیب الکمال: ۱۰۸/۵، تہذیب التہذیب: ۲۰/۲، تقریب التہذیب: ۱۶۴/۱، خلاصۃ تہذیب الکمال: ۲۳۱/۱، الجرح والتعدیل: ۶/۳، تاریخ الکبیر: ۲۷۰/۲، کتاب الثقات لابن حبان: ۱۲۵/۴۔

۵۔ مقدام بن معدیکرب

رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اور تمام صحابہ عادل ہیں۔

ذیل میں سنن ابی داؤد کی سند کی تحقیق بیان کی جارہی ہے۔

۱۔ عبد الوھاب ابن نجدۃ الحوطی ابو محمد الجبلی

قال یعقوب بن شیبہ: ثقۃ۔ قال ابن ابی عاصم: ثقۃ ثقۃ۔ ذکرہ ابن حبان فی الثقات۔ قال ابن قانع: ثقۃ۔ قال الحافظ: ثقۃ۔

خلاصۃ: مذکورہ ائمہ کے نزدیک عبد الوہاب بن نجدہ ثقہ ہیں۔

درج ذیل کتب میں ان کا ترجمہ وتذکرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

تہذیب الکمال: ۲۱/۵، تہذیب التہذیب: ۴/۲۹۰، تقریب التہذیب: ۴۸۹/۱، خلاصۃ تہذیب الکمال: ۲۲۸/۲، الجرح والتعدیل: ۳۷۸/۶، کتاب الثقات لابن حبان: ۴۱۱/۸۔

۲۔ ابو عمرو بن کثیر بن دینار (عثمان بن سعید بن کثیر بن دینار القرشی)

قال احمد: ثقۃ۔ وکذلک قال عثمان بن سعید الدارمی عن یحیی بن معین۔ ذکرہ ابن

حبان فی الثقات۔ قال ابن قانع: صالح، قال الحاکم: ثقة۔ قال عبد الوهاب بن نجدة: هو ریحانة الشام عندنا۔ قال الحافظ: ثقة عابد من التاسعة۔

خلاصہ: مذکورہ ائمہ کے نزدیک ابو عمرو ابن دینار ثقہ ہیں۔

درج ذیل کتب میں ان کا ترجمہ وتذکرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

تهذیب الکمال: ١١٠/٥، تهذیب التهذیب: ٤١٤/٤، تقریب التهذیب: ١٢/٢، خلاصة تهذیب الکمال: ٢٦٤/٢، الجرح والتعدیل: ٨٣٥/٦، تاریخ الکبیر: ٦٨/٦، کتاب الثقات لابن حبان: ٤٤٩/٨۔

٣۔ حریز بن عثمان جبیر بن احمد بن اسعد الرحبی المشرقی

قال معاذ بن معاذ: ولا اعلم انی رأیت بالشام افضل علیه۔ قال احمد بن حنبل: ثقة ثقة۔ قال دخیم: ثقة۔ قال العجلی: ثقة۔ قال ابن المدینی: لم یزل ادرکناه من اصحابنا یوثقونه۔ قال الفضل بن غسان: ثبت۔ قال الحافظ: ثقة ثبت۔ قال ابو حاتم: حسن الحدیث، ولم یصح عندی ما یقال فی رأیه ولا اعلم بالشام اثبت منه وهو ثقة متقن۔

خلاصہ: مذکورہ ائمہ کے نزدیک حریز بن عثمان ثقہ ہیں۔

درج ذیل کتب میں ان کا ترجمہ وتذکرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

تهذیب الکمال: ٨٩/٢، تهذیب التهذیب: ٦٩٧/١، تقریب التهذیب: ١٦٢/١، خلاصة تهذیب الکمال: ٢٢٦/١، الجرح والتعدیل: ٢٩٣/٣۔

٤۔ عبد الرحمن بن عوف الجرشی الحمصی القاضی

قال الاجری شیوخ حریز ثقات۔ ذکره ابن حبان فی الثقات۔ قال العجلی: ثقة۔ قال الحافظ: ثقة۔

خلاصہ: مذکورہ ائمہ کے نزدیک عبد الرحمن بن عوف الجرشی ثقہ ہیں۔

درج ذیل کتب میں ان کا ترجمہ وتذکرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

تهذیب الکمال: ٤٥٣/٤، تهذیب التهذیب: ١٠٩/٤، تقریب التهذیب: ٤٥٩/١، خلاصة تهذیب الکمال: ١٧٩/٢، کتاب الثقات: ١٠٥/٥۔

ذیل میں سنن ابن ماجہ کی سند کی تحقیق بیان کی جارہی ہے۔

١ - عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ بن ابراهیم بن عثمان الخواستی ابو بکر ابن ابی شیبہ

قال احمد : ابو بکر صدوق وهو احب الی من عثمان - قال ابو حاتم وابن خراش: ثقة - قال العجلی: ثقة، کان حافظاً للحدیث - قال ابن قانع: ثقة ثبت - قال ابن حجر: ثقة حافظ - قال عمرو بن علی: ما رأیت احفظ من ابی بکر ابن ابی شیبہ - قال ابن حبان فی الثقات: کان متقناً، حافظاً دینا عن کتب وجمع وصنف وذاکر -

خلاصہ: مذکورہ ائمہ کے نزدیک ابو بکر ابن ابی شیبہ ثقہ ہیں۔

درج ذیل کتب میں ان کا ترجمہ وتذکرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

تہذیب الکمال: ٢٦٤/٤، تہذیب التہذیب: ٦٣٦/٣، تقریب التہذیب: ٤١٨/١، خلاصۃ تہذیب الکمال: ١١٢/٢، الجرح والتعدیل: ٧٣٧/٥، کتاب الثقات: ٣٥٨/٨۔

٢ - زید بن الحباب بن ریان ابو الحسن العقلی الکوفی

قال علی ابن المدینی والعجلی وابن معین: ثقة - قال ابو حاتم: صدوق صالح - قال ابن قانع: کوفی صالح - قال الدارقطنی وابن ماکولا: ثقة - قال احمد : کان صدوقاً، وکان یضبط الالفاظ عن معاویة بن صالح، لکن کثیر الخطأ - قال عبید اللہ القواریری: کان ابو الحسن العقلی حافظاً عالماً لما یسمع - قال ابن یونس: کان جوالاً فی البلاد فی طلب الحدیث وکان حسن الحدیث - قال ابن عدی: له حدیث کثیر، وهو من أثبات مشائخ الکوفة ممن لا یشک الحدیث - ذکره ابن حبان فی الثقات وقال یخطئ یعتبر حدیثه اذا روی عن المشاهیر واما روایته عن الجاهیل ففیها المناکیر - قال ابن شاهین: وثقه عثمان ابن ابی شیبہ - قال الحافظ: صدوق یخطئ فی حدیث الثوری من التاسعة -

خلاصہ: مذکورہ ائمہ کے نزدیک زید بن حباب کوفی ثقہ ہیں۔

درج ذیل کتب میں ان کا ترجمہ وتذکرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

تہذیب الکمال: ٧١/٣، تہذیب التہذیب: ٥٤١/٢، تقریب التہذیب: ٢٦٧/١، خلاصۃ تہذیب الکمال: ٣٨٤/١، کتاب الثقات: ٢٥٠/٨، الجرح والتعدیل: ٢٥٣٨/٣۔

باقی رجال جامع ترمذی کی سند والے (معاویہ بن صالح، حسن بن جابر لخمی، مقدام بن معدیکرب) ہیں۔

حدیثِ صحیح کی تعریف

اصطلاح محدثین کی رو سے اس روایت کا حکم جیساکہ گزرچکا ہے کہ صحیح ہے اب محدثین نے صحیح حدیث کی جو تعریف کی ہے اور جن پانچ شروط کو اس تعریف کا حصہ بنایا ہے اسے ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔

(خبر الاحاد بنقل العدل تام الضبط متصل السند غیر معل ولا شاذ)[1]

ترجمہ: یعنی خبر آحاد جسے نقل کرنے والے عادل ہوں مکمل ضبط والے ہوں سند متصل ہو اور حدیث میں کوئی علت اور شذوذ نہ ہو۔

مذکورہ بالا تعریف میں یہ پانچ شرائط بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ راویوں کا عادل ہونا: اور عادل ہونے کا مطلب یہ کہ ان میں نیکی تقویٰ اور مروت موجود ہو کہ غلط کام کرتا ہی نہیں۔

۲۔ تام الضبط: یعنی تمام راویوں کا حافظہ درست ہو ضبط تام ہو اس کے مد مقابل وہ راوی جو کثرت سے غلطیاں کرتا ہے یعنی اس کا حافظہ درست نہیں اس کی روایت معتمد نہیں ہوگی۔

۳۔ اتصالِ سند: تیسری شرط یہ ہے کہ اس کی سند متصل ہو یعنی ہر راوی کا اپنے شیخ سے جس سے وہ روایت کررہا ہے ملاقات اور سماع ثابت ہو بصورتِ دیگر سند منقطع قرار پائی گی جس کی مختلف صورتیں: معلق، مرسل، معضل، منقطع وغیرہ ہیں ان سبب سے روایت ضعیف شمار ہوگی مقبول نہیں ہوگی۔

---

(1) شرح نخبۃ الفکر ص:۴۵، منظومۃ البیقونیہ، الفیۃ الحدیث للعراقی، فتح المغیث: ۱۲/۱، مقدمۃ مسلم، مقدمۃ النووی، باعث الحثیث۔

۴۔ شذوذ: چوتھی شرط یہ ہے کہ اس میں شذوذ نہ ہو۔ شذوذ سے مراد یہ ہے کہ راوی اوثق (کئی ثقہ راویوں) کی روایت ثقات کی مخالفت نہ کررہا ہو۔ اگر مخالفت ہوگی تو ظاہری بات کئی ثقہ راوی تو غلطی نہیں کرسکتے لہٰذا اس کی روایت شاذ ٹھہرے گی جس پر شاذ کے حکم کے تحت توقف ہوگا اور ثقات کی روایت قابلِ عمل ہوگی۔

۵۔ علتِ خفی: پانچویں شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی علت قادحہ بھی نہ ہو۔ یعنی بظاہر اس کا متن اور سند صحیح نظر آرہا ہو لیکن اس میں کوئی مخفی علت ہو جو اس کے ضعف کا سبب بن رہی ہو۔ جیسے راوی کا وہم، نسیان، موقوف کو مرفوع بیان کردینا۔ تو یہ علت خفی بھی نہ ہو تو روایت صحیح ہوگی اور قابلِ حجت ہوگی۔

اب اگر کوئی کورا چشم حدیث کا نام سنتے ہی آگ بگولا ہوجائے اور کہنے لگے کہ حدیث حجت نہیں ہے دین نہیں ہے شرعی ماخذ نہیں ہے اور بہت بعد میں لکھی جانے کی وجہ سے قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ ایسے شخص کے لیے مشورہ ہے کہ ان فنون کو سیکھے سمجھے اور پھر کہیں اشکال ہو تو پیش کرے تاکہ اس کی تشفی کردی جائے وگرنہ ایسا شخص تو اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس سے گفتگو میں اپنا وقت ضائع کیا جائے وہ گمراہ کن نظریہ کی تربیت لے کر دوسروں کو شکوک وشبہات میں ڈالنا چاہتا ہے۔

اگر غور کیا جائے کہ انکارِ حدیث سے ایک انسان کتنے بڑے بڑے گناہ اور جرائم کا ارتکاب کرتا ہے جسے سرسری طور پر نظر کرنے سے ہی محسوس کیا جاسکتا ہے۔

مثلاً:

(۱) اصولِ حدیث سے انکار جبکہ اصولِ حدیث قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں۔

چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا"

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر تو اس کی تحقیق کرلیا کرو۔

ائمہ اس آیتِ کریمہ سے اور دیگر قرآن وسنت کے نصوص سے اصولِ حدیث کو ثابت کیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں لفظ " جَآءَكُمْ" "کہ تمہارے پاس آئے" سے اتصالِ سند کا اصول ثابت ہوتا ہے یعنی سند متصل ہو انقطاع کہیں بھی نہ ہو۔

پھر فرمایا: "فَاسِقٌ" اس سے عدالت کا اصول ثابت ہوا یعنی اگر عادل خبر لے کر آئے۔۔۔

پھر فرمایا: "بِنَبَاٍ" " خبر لے کر آئے" وہ خبر لے کر تبھی آئے گا اگر اس کا حافظہ صحیح نہیں تو وہ خبر وہیں بھول جائے گا۔

مثال کے طور پر ایک شخص لاہور سے نکلنے اور خبر دینے کے لیے کراچی آئے مگر حافظہ صحیح نہ ہونے کی وجہ سے بھول گیا اب وہ آپ کو کیا خبر دے گا۔تو "بِنَبَاٍ" سے تام الضبط کا اصول ثابت ہوا۔

عدالت اتصال اور تام الضبط والی تین شرطیں تو ثابت ہوگئیں باقی رہی علت اورشذوذ والی شرطیں وہ "فَتَبَيَّنُوْٓا" سے ثابت ہوگئیں یعنی جب مذکورہ تین شرطیں ثابت ہوجائیں اب تحقیق کرو کہ کہیں یہ اوثق کی مخالفت تو نہیں اگر اوثق کی مخالفت کررہا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اوثق کی بات قبول ہوگی اور اس کی بات شاذ ٹھہرے گی۔ اور بسا اوقات آدمی بھول جاتا ہے وہم ہوجاتا ہے ظاہر سی بات ہے یہ نسیان وہم وغیرہ ہے علت خفیہ ہیں لہٰذا اس "فَتَبَيَّنُوْٓا" سے یہ دونوں شرطیں ثابت ہوگئیں۔ مزید تفصیل کے لیے مقدمہ

مسلم ودیگر مراجع کا مطالعہ کریں معلوم ہوا کہ ائمہ نے یہ اصول قرآن وسنت سے لیے ہیں لہٰذا ان کا انکار قرآن وسنت کا انکار ہے۔

ان اصولِ حدیث وحدیث کے مؤلفین جو بڑے ائمہ واساطینِ علم ہیں ان کا درجہ حجت واعتبار سے ساقط ہونا لازم آتا ہے یعنی ان ائمہ کی عدالت مجروح ہوجاتی ہے۔

(۲) جرح وتعدیل اور اسماء رجال جیسے عظیم الشان فن کا انکار لازم آتا ہے جس میں افراد کی زندگیوں کو آیئنے کی طرح واضح کردیا گیا ہے۔

اس فن کے مؤلفین جن پر امت صدیوں سے نازاں تھی۔ اور ان کے سعی جمیلہ پر ان کے زیرِ احسان تھی اس فن کا انکار تو غیر مسلم نے بھی نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ مشہور متعصب مستشرق ڈاکٹر اسپرنگ نے الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ کے انگریزی مقدمہ میں لکھا ہے کوئی قوم ایسی دنیا میں نہ گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ (۵۰۰,۰۰۰) شخصیتوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔بحوالہ مقدمہ اصابہ

(۳) انکارِ حدیث سے رواۃ حدیث بھی غیر معتبر ٹھہریں گے یہاں ایک حدیث کا ذکر قدرے مناسب ہے ابو سعید خدری فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ یأتی علی الناس زمان فیغزو فئام من الناس فیقولون: ھل فیکم من صاحب رسول اللہ ﷺ ؟ فیقولون: نعم، فیفتح لھم- ثم یأتی علی الناس زمان فیغزو فئام من الناس فیقال: ھل فیکم من صاحب اصحاب رسول اللہ ﷺ فیقولون: نعم، فیفتح لھم- ثم یأتی علی الناس زمان فیغزو فئام من الناس فیقال: ھل منکم من صاحب اصحاب رسول اللہ ﷺ

فیقولون: نعم فیفتح لھم۔[1]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ لوگوں کی جماعتیں جہاد کریں گے ان سے پوچھا جائے کہ تم میں کوئی نبی ﷺ کا صحابی ہے وہ کہیں گے: جی ہاں، پھر ان کی فتح ہوگی پھر ایسا وقت آئے گا کہ جماعتوں کی جماعتیں جہاد کریں گی ان سے پوچھا جائے گا کیا تم کوئی ایسا آدمی ہے کہ وہ صحابہ کرام کا ساتھی ہو وہ کہیں گے: جی ہاں، پھر ان کو فتح ہوگی پھر ایک ایسا وقت آئے گا کہ جماعتیں جہاد کریں گی لوگوں کے جمگھٹے سے پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو کسی تابعی (یعنی جو ایسے آدمی کی صحبت میں رہا ہو جو کسی صحابی کی صحبت میں رہا ہو) کا ساتھی ہو وہ کہیں گے ہاں تب ان کو فتح ہوگی۔

یہ تمام ائمہ حدیث تبع تابعین ، تابعین اور صحابہ کرام کس فہرست میں نظر آتے ہیں ۔ بلکہ اگر حدیث نہ ہو تو تمام صحابہ کے اسماء کا بھی پتہ نہیں چل سکتا تھا اس طرح تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین وغیرہ کا بھی۔

یہ جماعت معاذ اللہ کہاں کھڑی نظر آرہی ہے پھر چور دروازے سے آنے کے بجائے کھل کر دشمنانِ صحابہ کی طرح کہہ دیتے ہیں کہ معاذ اللہ صحابہ سب کے سب نبی کی وفات کے بعد مرتد ہوگئے تھے۔ گویا کہ جب صحابہ کا انکار کردیا جائے تو دراصل پورے دین کا انکار ہوجاتا ہے کیونکہ یہ دین ہم تک صحابہ کے ذریعے پہنچا۔اوریہی حال منکرینِ حدیث کا ہے کہ جب حدیث کا انکار گویا کہ پورا دین ختم باقی صرف خواہش پرستی۔

---

(1) صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابۃ، باب: فضائل اصحاب النبی ﷺ ومن صحب النبی اورآہ من المسلمین فھو من اصحابہ ائمۃ الحدیث، ۳۶۴۹۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب: فضائل الصحابۃ ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونہ، ۲۵۳۲۔ مسند احمد، ص ۳/۵۰۷۔

(۴) نیز مذکورہ بالا روایت اور ایک اور حدیث کی روشنی میں جو کہ درجہ کے اعتبار سے متواتر ہے)

من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔[1]

ترجمہ: یعنی جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

یہ حدیث صحیح ہے متواتر ہے اور ابن الجوزی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث اٹھانوے ۹۸ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور اس کے حجت ہونے میں تو بڑے بڑے منکرین حدیث بھی متفق ہیں تو بتایئے ان سب پر کیا حکم لگا۔

اب متدبر کے سامنے دو ہی راستے ہیں کہ یا تو وہ احادیثِ رسول کو حجت مان لے اور ان ساری کوششوں اورکاوشوں (جو حدیث اور خدمتِ حدیث سے متعلق ہیں) کو سمجھے۔ ائمہ اور اساطینِ علم اسے کوئی چیلنج نہیں کرسکتا۔ امت نے صدیوں سے اس جن کو اختیار کیا ہے بلکہ اسی فن رجان اور اصول حدیث کو حفاظت قرآن وحدیث کے لیے مضبوط قلعہ بنادیا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

" اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ"

ترجمہ: یعنی اس ذکر کو ہم نے نازل کیا اور اس کی حفاظت بھی ہم ہی کرنے والے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نےاس حدیث کو اصول کی شکل میں دنیا کے سامنے رکھ دیا ہے اور قیامت کے دن ان سے منفی سوچ وجذبات لے کر ٹکرانے والے خود ٹکڑے ٹکڑے ہوکر رہ جائیں گے لیکن اس کی حقانیت اور

---

(1) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب: یکرہ من النیاحۃ علی المیت، ۱۲۹۱، صحیح مسلم، مقدمۃ باب تغلیظ۔۔۔

حجت اس سے بڑھ جائے گی اور نکھر جائے گی۔ان شاء اللہ

اور ظاہر ہے یہی عافیت کی راہ ہے ایک مؤمن کو ایسا ہی کرنا چاہئیے۔جبکہ دوسری طرف انکارِ حدیث کے راستے کو اپنا کر ایسا کرنا ایک ذی شعور مؤمن ومسلم کے لیے مناسب نہیں ہے۔ جو امت کے محسن بھی ہیں عند اللہ ماجور بھی ہیں ان پر ضال اور مضل کا حکم لگانے کے بجائے صحیح راستے کو اختیار کیا جائے بلکہ اپنے گروہ کو ہی (جوا نکارِ حدیث کرتا ہے) بلاشک وشبہ ضال ومضل یقین کرلیا جائے یہی عافیت اور سلامت ایمان کی راہ ہے نہ کہ لوگوں کے پیچھے چلا جائے جن کے پاس نہ دین کا علم ہے اور اس کی معرفت ہے نہ اہل ایمان والی بصیرت کچھ بھی تو ان کے پاس نہیں ہے۔

ماہِ رمضان اور روزہ

" فضائل، احکام اور مسائل "

محمدّ حماد امین چاؤلہ

بسم اللہ والحمدللہ والصلٰوۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ وأزواجه ومن والاہ وبعد !

ہر مسلمان کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسکا مقصدِ حیات اپنے خالق و مالک اور معبودِ برحق رب کی خالص عبادت کرنا ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ وَٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ ﴾ البقرۃ: ۲۱

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے لوگوں کو بھی (اور اس کی عبادت اس لیے کرو) کہ تم پرہیز گار بن سکو۔

اور اسی مقصد کی تکمیل اور اسکی عملی تنفیذ کیلیے رب تعالیٰ نے انبیاء و رسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور کتب کو نازل فرمایا۔ اور عبادت سے مراد یہ ہیکہ انسان کے تمام ظاہری اور پوشیدہ (باطنی) اقوال (باتیں) واعمال ایک اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت و فرمانبرداری میں اور اسکی رضا و خوشنودی کے حصول کیلیے ہوں۔ اور جب ہم شریعتِ اسلامیہ میں موجود عبادات جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ میں غور و فکر کرتے ہیں تو ہمیں سمجھ آتا ہیکہ ان میں کچھ عبادات تو صرف جسمانی و بدنی ہیں اور کچھ صرف مالی ہیں جبکہ کچھ عبادات جسمانی و مالی دونوں ہیں اور ان تینوں اقسام پر اسلام کی بنیادیں قائم ہیں۔ کیونکہ کچھ لوگ جسمانی عبادات کا تو بہت اہتمام کرتے ہیں لیکن اللہ کے راستے میں خرچ کرنے میں بہت بخیل ہیں، اسی طرح اسکے برعکس کچھ لوگ مال خرچ کرنے میں بہت آگے ہیں لیکن بدنی عبادت میں صفر ہیں، اسی لیے شریعت نے عبادات میں تنوّع رکھا ہے تاکہ

عبادات کی ان تمام اقسام کو عملاً اپنا کر انسان اپنے جسم اور جو کچھ بھی اسکے پاس ہے، ہر لحاظ سے اپنے معبودِ برحق کا عبادت گذار بن جائے، اور اسی جذبہ کے حصول کے لیے، اسے روزانہ نماز کی ادائگی کی صورت میں عبادت کا حکم دیا گیا۔ اور ہر سال ایک مہینہ ایسا مقرر کیا کہ اس میں انسان جسمانی ومالی ہر لحاظ سے عبادت کے مفہوم کو سمجھتے ہوئے اسکے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنی تربیت کر سکے، شریعت مطہرہ میں اس ماہِ مبارک کے کیا فضائل ہیں ہم اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

ماہِ رمضان کی فضیلت

انتہائی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں زندگی میں ایک مرتبہ یہ ماہِ مبارک نصیب ہو جائے، چہ جائے کہ وہ لوگ جنہیں بار بار ماہِ رحمت نصیب ہو۔ جی ہاں! اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات میں یہ ماہِ مبارک بہت بڑاانعام واحسان ہے۔ کیونکہ:

اس ماہ کو خود رسول اکرم ﷺ نے بابرکت قرار دیا ، اس ماہ میں کتاب ہدایت قرآن کریم کو نازل کیا گیا ، اس میں جنت کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے تمام دروازے بند کر دیے جاتے ہیں ، اس میں اس ملعون شیطان کو قید کر دیا جاتا ہے جو دنیا میں ہر قسم کی چھوٹی بڑی برائی کی وجہ وسبب ہو ، اور اس ماہِ مبارک میں روزانہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو جہنم سے آزاد کیا جاتا ہے، اس میں روزہ وقیام کے مفہوم وضابطوں کو سمجھتے ہوئے عبادت کرنے والے کے سابقہ تمام صغیرہ گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے ، اور اس ماہ میں ایک رات ایسی ہے جس کا مقابلہ ہزار مہینے بھی نہ کر سکیں، ایسا مبارک مہینہ کہ اس میں آنے والی " لیلة القدر " سے جو محروم کر دیا گیا ، اس سے بڑا محروم ہی کوئی نہیں۔

ماہِ رمضان ایک مبارک مہینہ ، تلاوتِ قرآن کریم کا مہینہ ، عبادات وریاضتوں کا مہینہ ، جنت کے حصول اور جہنّم سے نجات کا مہینہ ، رحمتوں برکتوں اور مغفرت کا مہینہ ، صبر وبرداشت کا مہینہ ،

فراخی رزق کا مہینہ، بھائی چارگی اور ایک دوسرے سے خیر خواہی کرنے کا مہینہ، صدقات و خیرات کا مہینہ، اپنے آپ کو سدھارنے اور سنوارنے اور تربیت کا مہینہ ہے۔

مذکورہ فضائل مندرجہ ذیل احادیثِ رسول ﷺ میں بیان کیے گئے ہیں:

- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ماہِ رمضان کی آمد پر فرماتے: یقیناً تمہارے پاس مبارک مہینہ آیا ہے، جس کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیے ہیں۔ جس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، شیطان کو جکڑ کر قید کر دیا جاتا ہے، اور اس ماہِ مبارک میں ایک رات ایسی عظمت والی ہے کہ وہ ایک اکیلی رات ہی ایک ہزار مہینوں سے بہتر اور شرف و عظمت والی ہے، اور پھر فرمایا کہ: جو اس رات کی بھلائی سے محروم ہو گیا حقیقت میں وہی محروم ہے۔ [1]
- اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے: اس ماہِ مبارک میں اللہ تعالیٰ کا فرشتہ پکار پکار کے یہ کہتا ہے کہ اے خیر و بھلائی چاہنے والے خوش ہو جا (کہ خوشی کا مہینہ، خیر و بھلائی کا مہینہ، برکات اور رحمتوں کا مہینہ آگیا ہے) اور اے شر و برائی کے چاہنے والے اب تو رک جا (اور برائی چھوڑ دے)۔ [2]
- اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے: ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک تمام صغیرہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ دونوں رمضانوں کے درمیان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ [3] اسی طرح فرمایا: کہ جو شخص اس ماہِ مبارک کے روزے رکھے، اور اس رمضان کے مہینہ کی حدود کو پہچان کر ان کی حفاظت کرے، اور جن چیزوں سے اس ماہِ مبارک میں خیال رکھنا چاہیے ان کا عملاً خیال رکھے، تو اس کے سابقہ تمام (صغیرہ) گناہوں کو

---

[1]) رواه احمد والنسائی والبیهقی
[2]) رواه احمد والنسائی باسناد جید
[3]) رواه مسلم

بخش دیا جائے گا[1]

- اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ (اس ماہ مبارک میں) ہر رات اللہ تعالی لوگوں کو جہنم سے آزاد فرماتا ہے۔[2]
- اسی طرح آپ ﷺ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا، اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میں نے یہ گواہی دی کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود بر حق نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں ﷺ، اور میں (دن میں) پانچوں نمازوں کو ادا کروں، زکوۃ ادا کروں اور ماہِ رمضان کے روزے رکھوں، اور اس ماہ کا قیام کروں (یعنی تراویح و تہجد پڑھوں) تو میں کن لوگوں میں شمار ہوں گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (تمہارا شمار) صدّیقین (سچوں) اور شہدا میں ہو گا۔[3]
- اسی طرح مسند حاکم کی صحیح روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے یہ بد دعا فرمائی کہ اس شخص کے لیے ہلاکت و بربادی ہو جو رمضان المبارک کو پالے اور اپنے گناہوں، بد اعمالیوں پر (پشیمان و شرمندہ ہو کر اور آئندہ نہ کرنے کے عزم کے ساتھ رب کے حضور خلوصِ دل سے معافی مانگ کر) اپنی بخشش نہ کرا سکا۔

اس ماہ کے شرف کو سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ماہِ مبارک مذکورہ بد نصیبی و بد بختی سے نجات کا موقع ہے۔ یہ مغفرت و بخشش اور جہنم سے آزادی کا مہینہ ہے۔

اللہ تعالی ہمیں ان خوش نصیبوں میں سے بنادے جن کے لیے یہ مبارک مہینہ رحمت، مغفرت، برکت، جنت اور رب کی رضا کے حصول کا پیغام لایا ہے۔

---

[1]) رواه احمد، والبيهقي باسناد جيد
[2]) صحيح ابن ماجه للالباني، ج۱/۱۳۳
[3]) رواه ابن خزيمه والبزار

ماہِ رمضان کی ابتدا

ماہِ رمضان کی آمد کا علم ۳ طریقوں میں سے کسی بھی طریقے سے کیا جاسکتا ہے:

۱۔ رمضان کا چاند دیکھ کر، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: (صوموا لرؤيته) [۱] کہ رمضان کے روزے اس کا چاند دیکھ کر شروع کرو۔ اس طرح جو شخص رمضان کا از خود چاند دیکھ لے تو اس پر روزہ فرض ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی بااعتماد، عادل شخص کے چاند دیکھنے کی گواہی پر اعتماد کرتے ہوئے ماہ رمضان کے روزہ شروع کیے جائیں۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا عمل تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ چاند دیکھنے لگے، میں بھی دیکھنے لگا اور مجھے چاند نظر آگیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی تو (اس پر اعتماد کرتے ہوئے) آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ کا حکم دیا۔ [۲] اب یہ انتہائی قابلِ فہم بات ہے کہ آپ نے صرف سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے چاند دیکھنے اور ان کی گواہی پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ شروع کیا اور تمام مسلمانوں کو روزہ کا حکم دیا۔ اس صحیح روایت سے بہت سی باتیں ثابت ہوتی ہین:

ا۔ روزہ رکھنے کے لیے خود چاند دیکھنا ضروری نہیں بلکہ کسی عادل، بااعتماد شخص کے چاند دیکھنے کی گواہی کا اعتبار کرتے ہوئے رمضان کے روزے شروع کیے جاسکتے ہیں اور وہ لوگ انتہائی جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہیں جو اس وقت تک روزہ نہیں رکھتے جب تک کہ خود چاند نہ دیکھ لیں، اور کسی مسلم، ثقہ، عادل شخص کی گواہی کو کافی نہیں سمجھتے۔

ب۔ رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے اجتماعی مسئلہ میں ایک ثقہ اور عادل شخص کی گواہی پر اعتماد کیا جو خبر واحد (یعنی ایک شخص کی خبر وروایت) کی حجیت، اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی بیّن اور صریح دلیل ہے تو جو لوگ حدیثِ مقبول کی تمام شروط پوری ہو جانے

---

[۱]) أخرجه مسلم (759/2 رقم 1080)

[۲]) أخرجه أبو داود 2 / 756 برقم (2348) ، وابن حبان 8 / 231 برقم (3747) وصححه ، والحاكم / 24 وصححه ووافقه الذهبي ، وصححه ابن حزم .

کے بعد بھی رائے و قیاس کے مخالف ہونے یا کسی اور وجہ کے باعث صرف اس وجہ سے خبر واحد کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ اسے روایت کرنے والا ایک شخص ہے جبکہ وہ راوی ثقہ بھی ہو توانکا یہ عمل انتہائی گمراہیت پر مبنی عمل ہے؟

ج۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ رمضان کا چاند دیکھنے پر صرف ایک عادل اور ثقہ شخص کی گواہی کافی ہے۔یہی قول و فتوی امام شافعی، امام احمد، امام نووی، ابن مبارک و دیگر اہل علم کا ہے۔

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر ۲۹ کا چاند نظر نہ آئے تو ماہ شعبان کے ۳۰ دن مکمل کیے جائیں۔

جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: اگر تمہارے اور چاند کے درمیان بادل آ جائیں (یعنی مطلع صاف نہ ہو تو) شعبان کے ۳۰ دن مکمل کرو۔[1] اور جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں (فاكملوا شعبان ثلاثين) کہ شعبان کے ۳۰ دن مکمل کرو۔اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں (فعدوا ثلاثين)۔

اب سوال یہ ہے کہ ۲۹ ویں شعبان کا چاند مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے نظر نہ آ سکے تو اگلا دن ۳۰ شعبان شمار کیا جائے گا یا یہ کہ رمضان شمار کرتے ہوئے روزہ رکھا جائے؟؟

(اس دن کو عربی میں "یوم الشک" سے تعبیر کیا جاتا ہے)

اس میں اہل علم کے اقوال میں سے راجح یہی ہے کہ "یوم الشک" یعنی شک والے دن کا روکھنا حرام ہے۔

جس کی دلیل سنن ابی داؤد کی یہ روایت ہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے شک والے دن میں روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم ﷺ (آپ ﷺ کی کنیت ہے) کی نافرمانی کی۔ یہی قول جمہور اہل علم کا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اسی پر تھا اور مذکورہ روایات بھی اس مسئلہ میں انتہائی واضح ہیں۔

[1] صحيح البخاري الصوم (1801)،صحيح مسلم الصيام (1080).

رمضان المبارک میں کرنے والے کام

ویسے تو ماہِ رمضان مکمل عبادات کا سیزن ہے جن میں جتنا خیر و بھلائی کے کام کیے جائیں کم ہیں مگر چند عبادات ایسی ہیں جنکی طرف انتہائی انہماک، توجہ، شوق اور بڑھ چڑھ کر کرنے کی ضرورت ہے۔ جن میں سرِ فہرست: قرآن مجید کی تلاوت، اسے ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پڑھنا اور سننا، ماہِ مبارک کے روزہ رکھنا، رات کو قیام و تراویح کا اہتمام کرنا، خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر خرچ کرنا، رمضان کے آخری عشرہ میں بھرپور عبادات کا اہتمام کرنا اور طاق راتوں میں خصوصی اہتمام کرنا، لیلۃ القدر کو تلاش کرنا، اعتکاف کرنا، زکاۃ ادا کرنا، صدقۃ الفطر ادا کرنا، اور ایسی دینی محافل میں کثرت کے ساتھ شریک ہونا جہاں قرآن و حدیث کی روشنی میں اصلاحی و تربیتی دروس منعقد کیے جاتے ہیں، روزے کے منافی تمام غیر شرعی و غیر اخلاقی امور سے دور رہنا۔

روزہ اور اسکے اہم مسائل کا تحقیقی جائزہ

روزہ کی تعریف:

روزہ کو عربی زبان میں ''الصوم یا الصیام'' کہا جاتا ہے جس کا معنی ہے '' **الامساک مطلقا من الطعام والشراب والکلام والنکاح والسیر ونحوہا** '' یعنی لغوی اعتبار سے '' **الصّوم یا الصّیام** '' سے مراد کسی بھی چیز سے مطلقاً بالکل ہی رک جانا ہے۔ یعنی اپنے آپکو کھانے پینے سے، بات چیت سے، نکاح سے اور چلنے پھرنے سے روکنا، جیسا کہ قرآن کریم نے سیدنا مریم علیہا السلام کا فرمان نقل کیا: ﴿ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ﴿٢٦﴾ ﴾ مریم: ۲۶

'' پس کھاؤ، پیو اور اپنی آنکھ ٹھنڈی کرو۔ پھر اگر کوئی آدمی تمہیں دیکھ پائے تو کہہ دینا کہ ''میں نے اللہ کے لئے روزہ کی نذر مانی ہے لہٰذا آج کسی انسان سے بات نہ کروں گی'' ''

اسی طرح روزے دار کو عربی میں "صائم" کہا جاتا ہے۔
جبکہ شرعی اصطلاح میں ''روزہ'' (الصوم او الصیام) کی تعریف یہ ہے کہ:
عبادت کی نیت سے فجرِ صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے، ازدواجی تعلقات اور دیگر مفطرات یعنی روزہ توڑنے والی چیزوں سے اپنے آپ کو روکے رکھنا۔
(حنابلہ اور حنفیہ کے یہاں روزہ کی تعریف میں ''نیت'' کی قید نہیں ہے، لیکن صحیح بات یہی ہیکہ نیت روزہ کی شرط ہے، کیونکہ تمام اعمال کا دار و مدار نیت ہی پر قائم ہے)۔

روزہ کا حکم اور فرضیت

قرآن کریم، احادیث صحیحہ اور امت اسلامیہ کے اجماع و اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ رمضان المبارک کے مکمل مہینے کے روزے فرض ہیں۔ اور ماہِ رمضان کا روزہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ جس کی فرضیت کا انکاری کافر، مرتد ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے الّا یہ کہ وہ (نو مسلم ہو یا دار الحرب میں پروان چڑھا ہو، دنیا کے کسی ایسے مقام پر رہتا ہو جہاں اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو جسکی وجہ سے وہ) روزے کی فرضیت سے ناآشنا ہو۔
اسی طرح ماہِ رمضان المبارک کا روزہ بالاتفاق شعبان سن ۲ ہجری میں فرض ہوا۔

روزے کی فرضیت کے دلائل:

قرآن کریم: اللہ تعالٰی فرماتا ہے:
﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْءَانُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَٰتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ البقرة: ۱۸۵
'' رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والے واضح دلائل موجود ہیں۔ لہٰذا تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پالے اس پر لازم ہے کہ پورا مہینہ روزے رکھے۔''

احادیث مبارکہ: صحیح بخاری و مسلم میں مروی ہیکہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں ، نماز قائم کرنا ، زکوۃ ادا کرنا ، رمضان کے روزے رکھنا اور اگر استطاعت ہو تو حجِ بیت اللہ کرنا "۔

اسی طرح صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں ایک اعرابی (دیہاتی) رسول اکرم ﷺ سے سوالات کرتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وروزہ فرض کیا ہے اس کے بارے میں مجھے بتاے؟ تو آپ نے فرمایا: " شهر رمضان " یعنی اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان کے روزہ فرض کیے ہیں، جبکہ اس ماہ کے علاوہ تم نفلی روزہ بھی رکھ سکتے ہو۔

اور رسول اکرم ﷺ روزہ فرض ہونے کے بعد ۹ سال تک ہر سال ماہِ رمضان کا روزہ رکھتے رہے۔

اجماع: امت مسلمہ کا ہر دور میں اس بات پر اجماع رہا ہے کہ ماہِ رمضان کے روزے فرض ہیں اور مسلمانوں میں سے کسی نے اسکی فرضیت کا انکار نہیں کیا۔اور جو بھی اسکی فرضیت کا انکار کرے تو وہ مرتد ہے اور دینِ اسلام سے خارج ہے، الّایہ کہ وہ نو مسلم ہو اور روزہ کی فرضیت سے لا علم ہو یا پھر دنیا میں کسی ایسی جگہ پر رہتا ہو جہاں اسلام کی مکمل دعوت نہ پہنچی ہو جسکے باعث وہ شرائع اسلامیہ سے ناواقف ہو۔

یومیہ روزے کی ابتداء

یومیہ روزے کا وقت طلوعِ فجر ثانی سے لے کر غروبِ آفتاب تک کا ہے۔ طلوعِ فجر ثانی سے مراد فجر سے پہلے افق پر ظاہر ہونے والی سفیدی ہے۔ قرآن کریم میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَالْـَٔـٰنَ بَـٰشِرُوهُنَّ وَٱبْتَغُوا۟ مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ مِنَ ٱلْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا۟ ٱلصِّيَامَ إِلَى ٱلَّيْلِ ۚ ﴾ البقرة: ۱۸۷

سو اب تم ان سے مباشرت کر سکتے ہو اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے مقدر کر رکھا ہے اسے طلب کرو۔ اور فجر کے وقت جب تک سفید دھاری، کالی دھاری سے واضح طور پر نمایاں نہ ہو جائے تم کھا پی سکتے ہو۔ پھر رات تک اپنے روزے پورے کرو۔

مذکورہ آیت میں " اَلْخَيْطُ الْأَبْيَضُ " یعنی " سفید دھاگے "سے مراد: دن کی روشنی اور "اَلْخَيْطِ الْأَسْوَدِ" یعنی " کالے دھاگے " سے مراد رات کا اندھیرا ہے۔ اور آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ روزہ کا وقت دن ہے اور کھانے پینے، میاں بیوی کے تعلقات وغیرہ کا وقت رات ہے۔ " اَلْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ " کہہ کر روزہ کا ابتدائی وقت اور (أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ) کہہ کر انتہائی وقت بیان کیا گیا۔

روزہ کی نیت

ہر نیک عمل کی قبولیت اور اسکے اجر و ثواب کا دار و مدار " نیت " پر قائم ہے۔

جیسا کہ صحیح بخاری میں رسولِ اکرم کا فرمان ہے: انما الاعمال بالنّیات " یقیناً اعمال کا دار و مدار نیت پر قائم ہے۔

نیت کسے کہتے ہیں: نیت کسی بھی کام کا دل میں عزم و ارادہ کا نام ہے۔

فرض روزہ کی نیت: ہر واجب روزہ میں نیت کرنا ضروری ہے، جیسے رمضان کے روزے، قضاء و کفارے کے روزے وغیرہ۔

نیت کا وقت: فرض روزہ کی نیت طلوعِ فجر سے پہلے کرنا ضروری ہے اگرچہ ایک منٹ پہلے ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے: جس نے فجر سے پہلے روزہ کی نیت نہیں کی اسکا روزہ نہیں۔[1] جبکہ بہتر یہی ہیکہ رات سونے سے پہلے روزہ کی نیت (ارادہ) کر کے سوئے۔

تجدیدِ نیت: کیا رمضان المبارک میں روزانہ ہر روزہ کی نیت کرنا ضروری ہے؟

اس مسئلہ میں راجح بات یہی ہیکہ اگر اس نے رمضان کے شروع میں ہی مکمل مہینہ روزہ رکھنے کی نیت کر لی تو وہ اسکے لیے کافی ہے، البتہ اگر درمیان میں کسی بھی وجہ سے کوئی روزہ چھوٹ جاتا ہے

---

[1]) رواہ الترمذی (730) صححه الالبانی فی صحیح الترمذی (583)

تو اگلے روزہ کی دوبارہ نیت کرنا ضروری ہے۔ جیسے حائضہ، حاملہ، دودھ پلانے والی خواتین اور بیمار و مسافر وغیرہ اگر رمضان کا کوئی روزہ چھوڑ دیں تو دوبارہ روزہ رکھنے کے لیے فجر سے پہلے نیت کریں گے۔

نفلی روزہ کی نیت: البتہ عام نفلی روزہ کی نیت رات سے کرنا ضروری نہیں وہ اگلے روز زوال سے پہلے کسی بھی وقت کی جاسکتی ہے [1]۔ ہاں اگر خاص نفلی روزہ ہو جیسے: عرفہ وعاشوراء وغیرہ کا تو اسکے لیے رات ہی سے نیت کرنا بہتر ہے۔

نیت کے الفاظ: جہاں تک اسکا زبان والفاظ سے اظہار کرنے کا تعلق ہے تو اعمالِ شرعیہ میں سوائے ان اعمال کے کہ جن میں رسولِ اکرم سے زبان والفاظ سے نیت کرنا ثابت ہے (جیسے: حج وعمرہ کی نیت) بقیہ اعمال میں زبان والفاظ سے نیت کرنا "بدعت" ہے، کیونکہ اگر تمام اعمال میں زبان والفاظ سے نیت کرنا جائز ہوتا تو اللہ کے پیغمبر ﷺ سے کم از کم ایک مرتبہ اسکا ثبوت ضرور ہوتا، تو جس عمل کا ثبوت اللہ کے نبی ﷺ سے ایک مرتبہ بھی نہیں وہ عمل جائز و صحیح کیسے ہو سکتا ہے؟؟

اسکے علاوہ "روزہ کی نیت" کے حوالے سے جو الفاظ آج لوگوں کی زبانوں پر عام ہیں جیسے: وبصوم غد نویت من شہر رمضان وغیرہ یہ اور اس قسم کے دیگر الفاظ مختلف روایات میں موجود ہیں لیکن وہ تمام روایات یا تو من گھڑت ہیں یا انتہائی ضعیف۔

روزہ کی فضیلت، فوائد اور مقاصد

روزہ جسمانی وبدنی عبادات میں سے اہم ترین عبادت ہے جسکی فضیلت، فوائد اور مقاصد درج ذیل ہیں:

روزہ کی بنیادی فضیلت اور مقصد ''حصولِ تقویٰ'' :

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب فرما کر جو حکم سب سے پہلے ارشاد فرمایا وہ عبادت کا ہے ''صرف اللہ معبودِ برحق ہی کی عبادت'' کا اور اس کا جو عظیم فائدہ و مقصد بیان کیا

[1] صحیح مسلم : 1154

ہے وہ تقویٰ کا حصول ہے۔ یہ فائدہ و مقصد کتنا اہم ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ رب تعالیٰ کے سب سے پہلے اور سب سے اہم حکم کا بنیادی فائدہ و مقصد ہے، اور یہی مقصد اللہ تعالیٰ نے عبادات میں اہم عبادت "روزہ" کا بیان فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾ ﴾ البقرة: ۱۸۳

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کئے گئے تھے (اور اس کا مقصد یہ ہے) کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو.

تقویٰ کی تعریف:

تقویٰ کی تعریف میں اہلِ علم کے مختلف اقوال ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

تقویٰ ایسا بہترین لباس ہے جسے اپنا کر انسان اپنے تمام ظاہری و باطنی عیوب ختم کر سکتا ہے۔

تقویٰ سے بہترین لباس کوئی نہیں، تقویٰ ایسی کیفیت کا نام ہے کہ بندہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کا وہ ڈر اور خوف محسوس کرے جو اسے فرائض و واجبات کے چھوڑنے اور معاصی و جرائم کرنے سے روکے، اور اسکے مقابلے میں اسے واجبات شرعیہ کی ادائگی اور نافرمانی و گناہ کے کام ترک کرنے پر مجبور کرے اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے تقویٰ کو "وقایۃ" یعنی نافرمانی سے دور رہنے کا ذریعہ قرار دیا

تقویٰ کے فوائد:

تقویٰ کے بے شمار فوائد ہیں، ان سب کو لکھنا یہاں ممکن نہیں۔ یہاں صرف تذکیر کے لیے چند اہم فوائد لکھے جا رہے ہیں تاکہ روزے کے اہم ترین مقصد کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے چار اہم ترین فوائد ذکر کیے ہیں، اور غور کیا جائے تو ان چاروں سے دنیا کا کوئی انسان مستغنی نہیں ہو سکتا۔

۱۔ سب سے پہلا فائدہ: تقویٰ مصائب و مشکلات سے نکلنے کا راستہ ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مَخۡرَجٗا ۝٢ ﴾ الطلاق: ۲

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دے گا۔

۲۔ دوسرا فائدہ: تقویٰ رزق میں زیادتی، فراوانی و برکت کا ذریعہ ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ﴾ الطلاق: ۳

اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں اسے وہم و گمان بھی نہ ہو.

۳۔ تیسرا فائدہ: تقویٰ سہولت اور آسانی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مِنۡ أَمۡرِهِۦ يُسۡرٗا ۝٤ ﴾ الطلاق: ٤

اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کے لئے اس کے کام میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔

۴۔ چوتھا فائدہ: تقویٰ مغفرت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يُكَفِّرۡ عَنۡهُ سَيِّـَٔاتِهِۦ وَيُعۡظِمۡ لَهُۥٓ أَجۡرًا ۝٥ ﴾ الطلاق: ٥

اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ مٹا دے گا اور اسے بڑا بھاری اجر دے گا۔

یہ چند فائدے اس عمل کے ہیں جو روزہ کا بنیادی مقصد ہے گویا کہ اگر کوئی ان فوائد کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ تقویٰ کے حقیقی مفہوم کو سمجھتے ہوئے اس کے تقاضوں کو پورا کرے۔ اور تقویٰ کے حصول کے لیے جن امور کو انسان اختیار کرتا ہے ان میں اہم ترین عمل ''روزہ'' ہے۔

اسی طرح تقویٰ کے علاوہ بھی روزہ کے دیگر فوائد ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

روزہ اخلاص پیدا کرتا ہے: اخلاص ایسا مبارک عمل ہے جو ہر عبادت اور ہر نیک کام میں مطلوب ہوتا ہے، جو اعمال کی قبولیت کی بنیادی شرط ہے۔ کوئی بھی عمل بھلے وہ کتنے ہی اسباب و وسائل اختیار کر کے اور کتنی ہی محنت سے کیوں نہ کیا گیا ہو، اخلاص کے بغیر قبول نہیں ہوتا، اور ''روزہ'' اس اخلاص کو اپنے اندر پیدا کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔

کیونکہ اخلاص کا معنی یہ ہے کہ ہر نیک عمل صرف ایک اللہ ہی کے لیے کیا جائے جس میں اس کے ساتھ کوئی اور شریک نہ ہو بھلے وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ اور اس عمل کا مقصد بھی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور اس کی خوشنودی کا حصول ہو، اسی لیے روزہ دار جب روزہ رکھتا ہے تو وہ ناجائز امور کے ساتھ ساتھ ان امور کو بھی چھوڑ دیتا ہے، جو وقتِ روزہ کے علاوہ جائز ہوتے ہیں۔ جیسے کھانا پینا، میاں بیوی کے درمیان تعلقات اور دیگر مفطرات وغیرہ۔ یہ سب امور مومن روزہ دار صرف اپنے رب تعالیٰ کے لیے چھوڑتا ہے جو اس میں مزید اخلاص پیدا کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔

روزہ کا اجر و ثواب شمار ہی نہیں کیا جا سکتا : شریعت میں بہت سی عبادتوں کا اجر و ثواب بیان کر دیا گیا ہے، لیکن روزہ وہ عظیم و مبارک عمل ہے کہ اسکا اجر و ثواب رب تعالیٰ نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے، حدیثِ قدسی ہیکہ اللہ فرماتا ہے: ابنِ آدم کا ہر عمل اسکے لیے ہے سوائے " روزہ" کے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اسکی جزاء دوں گا۔ [1]

روزہ صغیرہ و کبیرہ تمام گناہوں سے پاکیزگی کا ذریعہ: ایمان و احتساب (یعنی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے) کے ساتھ رکھا جانے والا روزہ تمام کبیرہ و صغیرہ گناہوں کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کیے ہیں، اور میں نے تمہارے لیے اس ماہ کا قیام مسنون کیا ہے، تو جو اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس ماہ کا روزہ رکھے اور قیام کرے تو گناہوں سے ایسے پاک وصاف ہو جائے گا جیسے اس کی ماں نے آج ہی اسے جنا ہو۔ [2]

روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی : رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ۳ قسم کے لوگ ہیں جن کی دعا رد نہیں ہوتی، ان میں سے ایک روزہ دار ہے، جبتک کہ افطاری نہ کر لے۔

روزہ گناہوں اور جہنم کی آگ سے بچنے کا ذریعہ ہے: روزہ ایک ڈھال ہے اور جہنم سے نجات کا

---

[1]) أخرجه البخاري (الفتح 10 / 369 ط السلفية) ومسلم (2 / 807 ط . الحلبي).

[2]) رواه النسائی و احمد

ذریعہ ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: " جو بندہ بھی کسی دن اللہ کے راستے میں روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس دن اسے جہنم سے ۷۰ سال کی مسافت دور فرما دیتا ہے۔[1]

جنت کے دروازوں میں ایک دروازہ صرف " روزہ دار " کے لیے خاص ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جسکا نام " ریّان " ہے جس سے قیامت کے دن سوائے روزہ دار کے کوئی داخل نہیں ہو گا۔[2]

روزہ تمام فتنوں، مصیبتوں سے نجات کا ذریعہ ہے : روزہ کے فوائد میں سے اہم ترین فائدہ یہ ہے کہ اگر انسان اپنے گھر، مال، کاروبار اور آس پڑوس کسی بھی حوالے سے کسی بھی مصیبت کا شکار ہو جائے یا کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے۔ اس کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے انہیں ادا کرے۔ یہ روزہ کا عمل اسے ان تمام فتنوں اور مصیبتوں سے بتوفیق اللہ نجات دے گا۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے: " آدمی کو اس کے اھل و عیال، اس کے مال اور اس کے آس پڑوس میں جو فتنہ پہنچتا ہے اسے نماز، روزہ اور صدقہ ختم کر دیتا ہے۔[3]

روزہ انسانی شہوت کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے: حقیقت یہ ہے کہ انسانی طبیعت ہے کہ اگر پیٹ بھرا ہو تو انسانی خواہشات بھی بڑھ جاتی ہیں۔ کیونکہ جب جسم کو بھرپور غذا ملتی ہے تو اس میں طاقت پیدا ہوتی ہے اور اس طاقت کا صحیح مخرج و مصرف نہ ہو تو انسان ناجائز مصارف تلاش کرتا ہے، اور اس طرح انسان گناہ کا شکار ہوتا ہے۔ اور روزہ ہر اعتبار سے بڑھتی ہوئی نفسانی خواہش کو کنٹرول کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور اس کی دلیل: " رسول اکرم ﷺ کا وہ فرمان ہے جس میں آپ نے ان جوانوں کو جو (وسائل میں کمی یا کسی اور وجہ سے) شادی نہیں کر سکتے۔ انہیں روزہ رکھنے کا حکم دیا[4] تاکہ روزہ کے ذریعہ وہ اپنی جسمانی طاقت کو کنٹرول کر سکیں اور ناجائز

---

[1]) أخرجه الترمذي (5 / 578) وقال : حديث حسن .

[2])متفق عليه

[3]) رواه البخاري (494) ومسلم (5150)

[4]) رواه البخاري النكاح (4779)، و مسلم النكاح (1400)

و خلافِ شرع امور میں مبتلا نہ ہو۔

روزہ نعمتِ الٰہی پر شکر اور غربا، فقراء اور محتاجوں کا احساس پیدا کرنے کا ذریعہ ہے:

یہ بھی روزہ کے فوائد میں سے اہم ترین فائدہ ہے، کیونکہ جب روزہ دار صبح سے لے کر شام تک خالی پیٹ بھوکا رہتا ہے تو ایک طرف اس میں احساسِ تشکر پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا دیا ہے کہ وہ کبھی غربت و افلاس کی وجہ سے بھوکا نہیں رہتا اس لیے اسے اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور اس کا فرمانبردار بن کر رہنا چاہیے۔ اور دوسری طرف اس کے اندر ان غریبوں، بیواؤں اور معاشرے کے ان محتاج لوگوں کا احساس پیدا کرتا ہے جو غربت و افلاس کی وجہ سے سال میں کتنے ہی دن بھوکے رہتے اور کتنی ہی راتیں بھوکے سوتے ہیں، اس لیے ہر شخص کی بالعموم اور اہلِ ثروت حضرات کی بالخصوص یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق ایسے محتاج لوگوں کے ساتھ ہر طرح سے تعاون کریں۔

روزہ جسمانی صحت کا اہم ذریعہ: عربی زبان میں ایک محاورہ ہے " المعدة بيت الدّاء والحمية رأس الدّواء " کہ معدہ بیماریوں کا گھر ہے، جبکہ پرہیز بہترین دواء۔ اس لیے اطباء (ڈاکٹرز) کہتے ہیں کہ "پرہیز علاج سے بہتر ہے" کھانے سے پہلے بھی کیونکہ بیماری کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ زیادہ کھانا، یا نقصان دہ کھانا ہے اور کھانے کی بعد بھی۔ اسی لیے نہ انسان ایسا کھائے کہ بیمار ہو اور علاج کی نوبت آئے، احتیاط کریں۔ اور اگر سحری و افطاری میں زیادتی سے پرہیز کیا جائے اور اعتدال میں رہا جائے تو سال میں ایک پورا مہینہ دن بھر روزہ رکھنا جسمانی صحت کے لیے بہت مفید رہتا ہے۔

روزہ کی سنتیں اور آداب

روزہ کی سنتیں اور آداب بہت زیادہ ہیں جن میں سے اہم ترین مندرجہ ذیل ہیں:

سحری کرنا: روزے کے آداب میں سے سب سے پہلا ادب "سحری کرنا" ہے۔ یعنی فجر سے پہلے روزہ رکھنے کے لیے کھانا پینا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: سحری کیا کرو، یقیناً سحری میں

بڑی برکت ہے [1]۔ اسی طرح مسند احمد کی روایت کے مطابق سحری کرنے والوں پر اللہ رحمت اور فرشتے دعائے رحمت فرماتے ہیں۔

سحری کے آداب

ا) سحری میں اعتدال : سحری میں اعتدال سے مراد یہ ہیکہ انسان اتنا کھائے جس سے وہ بقیہ دن سہارا کر سکے، اور سحری میں اعتدال اس بات کا نام ہے کہ نہ تو انسان بھوکا رہے کہ عبادت کرنا بھی اسکے لیے مشکل ہے جائے اور نہ ہی اتنا پیٹ بھر کر کھالے کہ بھوک کا احساس ہی ختم ہو جائے کہ جو روزہ کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ترین مقصد ہے۔

ب) سحری میں تاخیر (آخری وقت تک سحری کرنا) : سحری میں تاخیر سے مراد ہے کہ رات کے آخری پہر میں، آخری وقت تک سحری کرنا۔ اور اس کی دلیل صحیح بخاری و مسلم میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ : ہم (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نبی مکرم ﷺ کے ساتھ سحری کرتے پھر نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ (راوی حدیث کہتے ہیں کہ) میں نے پوچھا کہ اذان اور سحری کے درمیان کتنا فاصلہ ہوتا تھا؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اتنا جتنا کہ ایک آدمی قرآن مجید کی ۵۰ آیتیں تلاوت کرتے۔ [2]

اب اگر قرآن مجید کی ۵۰ آیتیں آرام سے، تجوید و اطمینان کے ساتھ تلاوت کی جائیں تو اس میں ۱۵ یا ۲۰ منٹ سے زیادہ نہیں لگتے۔

اسی طرح سیدنا عمرو بن میمون رحمہ اللہ (جو کہ بڑے تابعین میں سے ہیں) فرماتے ہیں کہ : جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم لوگوں میں سب سے بڑھ کر جلدی افطاری کرنے والے (یعنی وقت پر فوراً بغیر احتیاطی انتظار کیے) اور دیر تک (یعنی آخر تک) سحری کرنے والے تھے۔

---

[1]) أخرجه البخاري (الفتح 4 / 139) ومسلم (2 / 770) .

[2]) أخرجه البخاري (الفتح 4 / 138 ط . السلفية) ومسلم (2 / 771 ط . الحلبي) .

آخری وقت تک سحری کرنے میں اہل علم یہ حکمت بیان کرتے ہیں کہ یہ عین فطرت اور انسانی طبیعت کے مطابق ہے۔ کیونکہ بقیہ پورے دن مغرب تک بھوکا پیاسا رہنا ہوتا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ آخری وقت ہی میں سحری کی جائے تاکہ عبادات وغیرہ میں سہارا رہے۔

ج) سحری مین کھجور کھانا بھی باعثِ برکت اور غذائیت سے بھرپور ہے۔

د) سحری کا انتہائی وقت: رات سے لے کر طلوع فجر تک ہے۔

مسئلہ: غسل واجب ہوجائے اور سحری کا وقت مختصر ہو تو سحری کھاکر بھی غسل کیا جاسکتا ہے اگرچہ اذان فجر ہی کیوں نہ ہوجائے۔

افطاری کے آداب

ا) تر کھجور (رطب) سے روزہ کھولنا۔ ب) تر کھجور نہ ملنے پر خشک کھجور یا چھوارے سے روزہ کھولنا۔ ج) کھجور و چھوارہ نہ ملنے پر پانی سے روزہ کھولنا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نماز مغرب سے پہلے رطب کھجور سے افطار فرماتے۔ وہ نہ ملنے پر خشک کھجور سے افطار فرماتے اور وہ بھی نہ ملنے پر پانی کے چند گھونٹ نوش فرماتے [1]۔

د) افطاری کے وقت دعا کرنا مستحب ہے۔

افطاری کے وقت دعا کرنا بھی انتہائی پسندیدہ، قابل تعریف اور اجر وثواب کا باعث ہے، اور افطاری کے وقت ان الفاظ سے دعا کرنی چاہیے: (ذهب الظماء وابتلت العروق وثبت الاجران شاءالله)

"پیاس ختم ہوئی اور رگیں تر ہوگئیں اور ان شاءاللہ اجر بھی مل گیا۔"

یہ رسول اکرم ﷺ کا معمول تھا۔ [1] اس لیے ہر روزہ دار کو چاہیے کہ اس دعا کو اسکے معنی کے ساتھ یاد کریں۔ اور اسے روزہ کھولنے کے بعد ادا کریں۔

---

[1]) أخرجه الترمذي (3 / 70) وقال : حديث حسن .

تنبیہ: جہاں تک ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنے کا تعلق ہے: (اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت)[۲] تو محققین اہلِ علم نے تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کی ہے کہ اس کا ثبوت نہ ہی رسولِ اکرم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے۔ بلکہ یہ اور اس معنی میں جتنی بھی روایات ہیں یا تو مرسل ہیں یا شدید ضعیف ہیں یا موضوع و من گھڑت ہیں۔ جبکہ اس کے مقابلے میں پچھلی روایت (ذھب الظماء) والی سند صحیح بلکہ بقول امام حاکم، امام بخاری و مسلم رحمہم اللہ کی شرط پر ثابت ہے۔

نوٹ: سحری وافطاری کے حوالہ سے ایک انتہائی اہم بات ذہن نشین رہے کہ سحری میں نہ اٹھنا نماز فجر کی وقت پر عدم ادائیگی یا جماعت سے نکل جانے کا باعث بن جاتا ہے اور اسی طرح افطاری کے دوران بعض لوگ کھانے پینے میں اتنا مگن ہو جاتے ہیں کہ نماز مغرب کی فکر ہی نہیں رہتی، یا تو وہ قضاء ہو جاتی ہے یا پھر جماعت چھوٹ جاتی ہے۔ تو نماز کی پابندی کرنا، وقت پر اور مردوں کے لیے جماعت کے ساتھ، اس کا خیال رکھنا چاہیے کیونکہ وہ روزہ جو انسان کے لیے واجبات چھوڑنے کا سبب بن جائے سوائے بھوک وپیاس کے کچھ فائدہ نہیں دیتا نسئل اللہ السلامة والعافیة۔

ہ) افطاری میں جلدی کرنا:

روزہ کھولنے میں جان بوجھ کر دیر کرنا اگرچہ وہ احتیاط کے پر ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ آج ہمارے معاشرے میں رائج ہے۔ سورج غروب ہو چکا ہوتا ہے، سائرن یا اذان کی آواز آجاتی ہے اس کے

---

[۱]) أخرجه أبو داود (2 / 765) والدارقطني (2 / 185) وحسن الدراقطني إسناده وقال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين.

[۲]) الحديث ضعيف (مرسل) لأن ا- معاذ بن زهرة لم يدرك النبی علیه السلام البدر المنير - (5 / 710)ورواية اخرى عن: ب- عبد الملك بن هارون: وهو كذاب دجال، وضاع، لا يعرف، ليس بمعروف - البدر المنير - (5 / 711)، التلخيص الحبير - (2 / 444)، التلخيص الحبير - (2 / 445) وعن: داود بن الزبرقان وهو متروك. نيل الأوطار - (4 / 301)، إرواء الغليل - (4 / 37-38) تراجعات العلامة الألباني في التصحيح والتضعيف - (1 / 23).

باوجود احتیاط کے نام پر جان بوجھ کر روزہ کھولنے میں تاخیر کی جاتی ہے۔ یہ عمل انتہائی قابل مذمت اور خلاف سنت ہے۔ کیا ایسے لوگوں کے لیے اولادِ آدم کے سردار اور امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان و عمل کافی نہیں؟؟ صحیح بخاری و مسلم میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ: وہ لوگ ہمیشہ خیر و بھلائی کے ساتھ رہیں گے جب تک کہ روزہ کھولنے میں جلدی کریں گے۔

اسی طرح آپ ﷺ اپنے رب سے روایت فرماتے ہیں (یعنی حدیث قدسی ہے) کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو افطاری (روزہ کھولنے) میں جلدی کرتا ہے۔[1] اسی طرح صحابہ کرام کے عمل کے حوالے سیدنا عمرو بن میمون (تابعی) کا قول بھی پیچھے گزر چکا ہے۔

مسئلہ: نمازِ مغرب سے پہلے کھانا تناول کرنا:

بہتر یہی ہے کہ روزہ کھولنے کے بعد نمازِ مغرب سے پہلے افطاری کر لے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے۔ لیکن اگر بھوک شدید ہو جس کی وجہ سے نماز میں عدم اطمینان کا خدشہ ہو تو پہلے کھانا کھا لے، اس کے بعد نمازِ مغرب ادا کر لے۔ بشرطیکہ: (ا) نمازِ مغرب کے قضاء ہونے کا خدشہ نہ ہو۔ (ب) کھانا تیار ہو (ج) کھانا سامنے موجود ہو۔ اور دلیل صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: جب رات کا کھانا سامنے آجائے تو نمازِ مغرب سے پہلے کھانا کھالو۔

روزہ کی منافی، غیر شرعی امور

روزہ کا بنیادی مقصد ہی "تقویٰ" کا حصول ہے۔ جیساکہ پیچھے تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے، اور روزہ کو شریعت میں گناہوں سے بچنے کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ اسی لیے روزہ دار کو تمام زبانی و عملی برائیوں سے دور رہنا چاہیے۔ کیونکہ یہ برائیاں اس کے روزہ کو برباد کر سکتی ہیں۔

اور وہ برائیاں مندرجہ ذیل ہیں:

[1]) رواه أحمد والترمذي وحسنه وابن خزيمة وابن حبان.

جیسے جھوٹ، غیبت، چغل خوری، فحش گوئی، گالم گلوچ، لڑائی جھگڑا، غرض زبان کے ہر قسم کے غلط استعمال۔ اسی طرح اپنی آنکھوں، کانوں اور ہاتھ پاؤں کا غلط استعمال، فحش وخلاف شرع باتیں سننا، گانے اور موسیقی سننا، ڈرامے، فلمیں دیکھنا، فحش تصویریں دیکھنا، فحش لٹریچر پڑھنا، اپنے اعضاء (زبان، ہاتھ، پاؤں غیرہ) سے کسی کو نقصان پہنچانا، دھوکا دینا یا ظلم وزیادتی کرنا وغیرہ وغیرہ۔

کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ جو (روزہ میں) جھوٹ بولنا نہ چھوڑے اور اس پر عمل نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے کے چھوڑنے کی کوئی پرواہ نہیں [۱]۔

اسلیے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ روزہ صرف کھانے پینے کو چھوڑنے کا نام نہیں بلکہ رسول اکرم ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے: کہ روزہ لغو (بے مقصد اور ناجائز) باتوں سے دور رہنے اور بے حیائی، فحاشی، اور خلاف شرع (تمام) کاموں کو (عملاً) چھوڑ دینے کا نام ہے۔ (اور اسی طرح روزہ صبر و برداشت اور تحمل و بردباری اختیار کرنے کا نام ہے۔ کیونکہ فرمایا) کہ اگر (تمہارا روزہ ہو اور) تمہیں کوئی جاہل کہے یا کوئی گالی دے تو (برداشت اور تحمل سے کام لو اور) اس سے کہو کہ میں روزہ سے ہوں، میرا روزہ ہے۔ [۲] (اور کی برائی کا جواب بجائے برائی سے دینے کے اس سے اپنا دامن بچاتے ہوئے دور ہو جاؤ)۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں ان کے روزہ سے سوائے بھوک و پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی راتوں کو عبادت کرنے والے ایسے ہیں جنہیں سوائے راتوں کو جاگنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ [۳]

تو جو شخص رمضان المبارک کے مہینے میں روزہ رکھ کر اور قیام کر کے اپنے اندر تبدیلی نہ لا سکا، اپنا ظاہر و باطن نہ سنوار سکا اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی شریعت کا فرمانبردار و اطاعت گزار نہ بنا سکا اور زبانی و عملی تمام برائیوں سے دور رہنا نہ سیکھ سکا تو اس سے بڑا بدنصیب

---

[۱]) البخاري : الصوم 1903

[۲]) أخرجه مسلم (2/809)

[۳]) رواه ابن ماجه (1690) وصححه الألباني في صحيح ابن ماجه.

اور بد بخت کوئی نہیں اور شاید جسے روزہ ور مضان نہ بدل سکا شاید ہی کوئی اور عمل اسے بدل سکے۔ اللہ تعالیٰ اس ماہِ مبارک کو ہماری زندگیوں میں عملی تبدیلیوں کا ذریعہ بنادے اور اس میں کیے جانے والے تمام نیک کاموں کو قبول فرماتے ہوئے ان سے بھرپور فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

رمضان المبارک کے روزے کس پر فرض ہیں؟

روزہ کی فرضیت کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔اسلام ۲۔بلوغت اور ۳۔ عقل کا ہونا۔

۴۔روزہ رکھنے کی طاقت وقدرت کا ہونا۔۵۔حالتِ قیام یعنی ''حضر'' میں ہونا (حالت سفر میں نہ ہونا)۔۶۔روزہ رکھنے سے مانع امور کا نہ ہونا(یعنی وہ وجوہات جو انسان کو روزہ رکھنے سے روکیں انکا نہ ہونا)۔

پہلی شرط: اسلام

چونکہ روزہ ایک اسلامی فریضہ ہے اس لیے اسکی فرضیت اور قبولیت کی بنیاد اسلام ہے، اسی لیے غیر مسلم کافر پر روزہ فرض نہیں ہے اور اگر وہ روزہ رکھ بھی لے تو قبول نہیں کیا جائےگا۔

اور شریعتِ اسلام میں کوئی بھی نیک عمل خواہ اسکا تعلق کسی بھی شعبہ سے ہو اسوقت تک قبول نہیں ہوتا جبتک کہ اسمیں دو چیزیں نہ ہوں: ۱) اخلاص یعنی وہ عمل صرف اللہ ہی کے لیے اسکی رضا وخوشنودی کی خاطر کیا جائے اسمیں اللہ کی علاوہ کوئی بھی شریک نہ ہو ۲)انبیاء کے امام محمّد رسول اللہ ﷺ کی متابعت۔یعنی وہ عمل صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر ہو۔

دوسری شرط: بلوغت

بلوغت کی پہچان: بلوغت کی معرفت کی کچھ علامات ہیں جن کے ذریعہ لڑکا یا لڑکی کے بالغ ہونے کا پتہ چلتا ہے اور وہ علامات لڑکے کے لیے ۳ اور لڑکی کے لیے ۴ ہیں۔

لڑکے کی علامات: ۱۔ زیر ناف بال کا آجانا۔ ۲۔ منی کا شہوت کے ساتھ خارج ہونا۔ ۳۔ مذکورہ دونوں کی عدم موجودگی میں ۱۵ سال کی عمر کا مکمل ہونا۔

لڑکی کی علامات: مذکورہ ۳ علامات، ۴۔ حیض کا خون آنا۔

مذکورہ علامات میں سے کوئی بھی علامت ۱۵ سال سے پہلے ظاہر ہو جائے تو اس کے ذریعہ بلوغت حاصل ہو جاتی ہے وگرنہ ۱۵ سال کی عمر مکمل ہو جانے کے بعد بلوغت واقع ہو گی۔

۳۔ تیسری شرط: عقل

اسلام اور بلوغت کے بعد تیسری اہم شرط عقل ہے جسکا فقدان روزہ کی فرضیت کو ساقط کر دیتا ہے جسکی مزید تفصیل آگے "جنون" کے عنوان کے تحت آرہی ہے۔

۴۔ چوتھی شرط: روزہ رکھنے کی طاقت وقدرت

۵۔ پانچویں شرط: حالتِ قیام "حضر" میں ہونا (یعنی حالت سفر میں نہ ہونا)

چونکہ روزہ ایک جسمانی عبادت ہے جس میں چند گھنٹوں تک عبادت کی نیت سے بھوکا، پیاسا رہنا پڑتا ہے اس لیے اس کی فرضیت کے لیے جسمانی طاقت اور قدرت کی قید لگائی گئی اور ان لوگوں سے روزہ کی فرضیت ساقط (ختم) کر دی گئی جو مریض ہوں یا جسمانی طور پر کمزور ہوں، جیسے بوڑھے۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی رخصت دیگئی جن کے لیے روزہ باعثِ مشقّت ہو سکتا ہو جیسے مسافر، حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کی تفصیل بھی آگے آرہی ہے۔

۶۔ چھٹی شرط: روزہ رکھنے سے مانع امور کا نہ ہونا

(یعنی وہ وجوہات جو انسان کو روزہ رکھنے سے روکیں انکا نہ ہونا)

اور وہ مانع امور " حیض ونفاس " کے خون ہیں۔ یہ آخری شرط خواتین کے ساتھ خاص ہے۔

ان تمام شرائط کی تفصیل آگے ذکر کی جارہی ہے۔

خلاصہ کلام: خلاصہ کلام یہ ہے کہ رمضان المبارک کا روزہ ہر اس شخص پر فرض ہے جو مسلمان ہو، بالغ ہو، صاحبِ عقل ہو، اور روزہ رکھنے کی طاقت و قدرت رکھتا ہو، مقیم ہو، اور خواتین

حالتِ حیض و نفاس میں نہ ہوں۔

وہ لوگ جن پر روزہ فرض نہیں

پیچھے ذکر ہوا کہ کن لوگوں پر روزہ فرض ہے اور روزہ کی فرضیت کی شرائط کیا ہیں، ان شرائط میں سے اگر ایک بھی شرط مفقود ہو تو روزہ کی فرضیت ساقط (ختم) ہو جاتی ہے تو اس طرح وہ لوگ جن پر روزہ فرض نہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1) غیر مسلم (کافر)

کافر پر روزہ فرض نہیں ہے، اور اگر وہ روزہ رکھ بھی لے تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

2) نابالغ

نابالغ شخص پر بھی روزہ فرض نہیں ہے۔ اب نابالغ کون ہے اور بلوغت کی معرفت کیسے حاصل ہوتی ہے اسکا ذکر پیچھے گذر چکا ہے۔

3) بے عقل (جسکی عقل ہی نہ ہو یا کسی وجہ سے ضائع ہو گئی ہو)

مجنون اور بے ہوش کے روزے کا شرعی حکم

اگر کسی شخص نے روزہ کی نیت کی۔ پھر یا تو وہ "مجنون" ہو گیا (یعنی اس کی عقل ضائع ہو گئی) یا پھر کسی وجہ سے "بے ہوش" ہو گیا اور روزہ کھلنے تک ہوش میں نہ آسکا، یا وہ شخص صبح سے لیکر شام تک مکمل دن "سویا" رہا ان تینوں صورتوں میں مذکورہ اشخاص کے روزہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ اسکی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

جہاں تک، جنون، بے ہوشی اور نیند کا تعلق ہے تو یہ تینوں ایک دوسرے سے ملتے جلتے مسئلے ہیں۔ لیکن ان کے احکام مختلف ہیں۔

مجنون :

مجنون جنون سے ہے اور جنون سے مراد پاگل پن اور اس کے مثل عقل کا ضائع ہو جانا ہے، اور اسکی مختلف صورتیں ہیں۔

- اگر کوئی شخص شروع سے آخر تک مکمل ماہِ رمضان جنون کی کیفیت میں رہا اسطرح کہ اسنے ماہِ رمضان پایا ہی نہیں تو اہلِ علم اس بات پر متفق ہیں کہ اس پر نہ روزہ فرض ہے اور نہ ہی وہ اسکی قضاء ادا کریگا۔
- اگر کوئی شخص ماہِ رمضان میں فجر سے پہلے سے لے کر سورج غروب ہونے یعنی مغرب تک جنون کی کیفیت میں رہا، اگرچہ اس نے فجر سے پہلے روزے کی نیت کی ہو اور جنون کی وجہ سے پورے دن کچھ کھایا پیا بھی نہیں تو بھی اس کا روزہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ "مجنون" عبادت کا اہل و لائق نہیں اور روزہ ایک عبادت ہے۔ اور عبادت کے وجوب اور صحیح (قابل اعتبار) ہونے کے لیے "عقل" کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح افاقہ ہو جانے کے بعد اس پر متروکہ نماز و روزہ کی قضاء بھی نہیں ہے کیونکہ مجنون مرفوع القلم ہے اور واجبات شرعیہ کی ادائگی سے مستثنیٰ ہے تو جب اس پر کچھ واجب ہی نہیں تو قضا کیسی!
- اسی طرح بے عقل اور پاگل پر روزہ فرض نہیں اور نہ ہی وہ روزہ کے بدلے قضاء یا کفارہ ادا کرے گا کیونکہ اس پر روزہ فرض ہی نہیں ہے۔
- ہاں اگر کسی شخص کی عقل کسی حادثہ وغیرہ کی وجہ سے متاثر ہو گئی اور وہ بے ہوش ہو گیا تو ہوش میں آنے کے بعد روزہ کی قضا کرے گا۔
- اسی طرح وہ شخص بھی جو خود کوئی نشہ آور چیز کھا کر یا کسی اور طرح بے عقلی کی کیفیت میں چلا جائے وہ بھی اہلِ علم کے راجح قول کے مطابق ٹھیک ہو جانے پر روزہ کی قضاء ادا کرے گا لیکن اگر اس کی عقل ضائع ہو گئی اور وہ پاگل ہو گیا تو اس پر سے روزے ساقط ہو جائیں گے۔

اسی طرح وہ شخص جو جادو یا جنات وغیرہ کے سبب بے عقلی کی کیفیت میں چلا جائے تو جس دن وہ اس حالت میں ہوگا تو روزہ اس پر ساقط (ختم) ہو جائے گا اور اس کی قضاء بھی نہیں ہوگی اور جس دن وہ صحیح ہوگا اس پر روزہ فرض ہوگا۔

نابالغ اور فاقد العقل یعنی عقل سے خالی شخص پر روزہ فرض نہ ہونے کی دلیل رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے: کہ تین قسم کے لوگ ہیں جو مرفوع القلم ہیں (یعنی وہ مکلّف ہی نہیں ہیں) فرمایا: نابالغ بچہ حتی کہ وہ بالغ ہو جائے، اور سویا ہوا یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، اور مجنون جبتک کہ اسکی عقل واپس نہ آجائے۔[1]

بے ہوش :

جہاں تک بے ہوش آدمی کا تعلق ہے تو ایسا شخص جو کسی حادثہ، بیماری یا کسی بھی وجہ سے ماہِ رمضان میں سحری کرنے کے بعد بے ہوش ہو جائے اور مکمل دن بے ہوش رہے تو اسکا روزہ بھی صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ بے ہوشی کی صورت میں انسان کی عقل اس کا ساتھ نہیں دیتی اور ہوش میں آنے تک انسان غیر عاقل ہی شمار ہوگا، اس لیے اس دورانیہ میں اگرچہ اس نے کچھ کھایا پیا نہ ہو اور صبح روزہ کی نیت بھی کی ہو تب بھی غیر عاقل ہونے کے باعث اس کا روزہ صحیح شمار نہ ہوگا۔ اور اسے اس روزہ کی قضاء ادا کرنی ہوگی۔ کیونکہ وہ مرفوع القلم نہیں بلکہ مکلّف ہے۔ یہی قول و فتوی جمہور اہل علم کا ہے، اور یہی احوط بھی ہے۔ واللہ اعلم

4) وہ شخص جو روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو: (مریض، بوڑھے وغیرہ)

اسی طرح اس شخص پر بھی روزہ فرض نہیں جو روزہ رکھنے کی طاقت و قدرت نہ رکھتا ہو، اور روزہ رکھنے سے عاجز ہو۔ جیسے مریض اور بوڑھے وغیرہ۔

---

[1]) أحمد 6 / 100- 101، 101، 144، وأبو داود والنسائي وابن ماجه والدارمي وابن حبان، والحاكم والحديث صححه الالباني

مریض کا روزہ

جو شخص کسی بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہو اس کی دو صورتیں ہیں۔

ا۔اس کی بیماری عارضی ہو جس کے ختم ہونے کی امید ہو۔

ایسا شخص بیماری ختم ہو جانے کے بعد متروکہ روزوں کی قضا کرے گا۔ جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے: ﴿ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾ ﴾ البقرة: ۱۸۵

" پھر اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے "

بیماری کی کیفیت سے متعلّق تفصیل آگے آرہی ہے۔

۲۔وہ جسکی بیماری دائمی ہو اور اسکے ختم ہونے کی امید نہ ہو، جس کے باعث وہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو۔

ایسے شخص کا حکم بوڑھے جیسا ہے جسکی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

بوڑھے اور ضعیف العمر کا روزہ

اور وہ لوگ جو بڑھاپے کے باعث روزہ رکھنے پر قادر نہ ہوں وہ روزانہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو فدیہ کے طور پر کھانا کھلائیں۔ جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتوی ہے۔آپ نے آیت: ﴿ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾ ﴾ البقرة: ۱۸۴

کی تفسیر میں ان بوڑھے مرد و خواتین کا ذکر کیا ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ [1]

[1] بخاری کتاب التفسیر باب قولہ تعالی: ایاما معدودات.....مسکین 4505

جبکہ اہل علم نے یہ بھی لکھا ہے کہ مذکورہ آیت ظاہراً اس بات پر دلالت نہیں کرتی جو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے۔ کیونکہ آیت (وَعَلَى ٱلَّذِينَ يُطِيقُونَهُۥ) کا معنی جمہور مفسرین کے یہاں یہی ہے کہ جو روزہ رکھنے پر قادر ہوں وہ فدیہ کے طور پر ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ یعنی ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو یہ اختیار تھا کہ چاہیں تو وہ روزہ رکھیں یا چاہیں تو ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلادیں۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جب یہ (مذکورہ) آیت نازل ہوئی تو (مسلمانوں کو اختیار دیا گیا کہ) جو شخص روزہ نہ رکھنا چاہے وہ اس کے بدلے مسکین کو کھانا کھلادے حتی کہ اگلی آیت نازل ہونے پر اس اختیاری حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ [1]

تو اگلی آیت :﴿ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ ٱلشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ البقرة: ۱۸۵

لہٰذا تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پالے اس پر لازم ہے کہ پورا مہینہ روزے رکھے۔

کے ذریعے اس اختیار کو منسوخ کر دیا گیا اور ان تمام مسلمانوں کو جو ماہِ رمضان کو پالیں اور روزہ رکھنے پر قادر ہوں اس ماہِ مبارک کے روزے رکھنے کا وجوبی (لازمی) طور پر حکم دیا گیا۔ البتہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس آیت سے مذکورہ استدلال (کہ جو روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو (دائمی بیماری یا بوڑھاپے کی بناء پر) وہ ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے)۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ کی فقاہتِ دین اور تفسیر قرآن سے آپ کی گہری واقفیت کی دلیل ہے کیونکہ آیت (وَعَلَى ٱلَّذِينَ يُطِيقُونَهُۥ) کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ روزہ نہ رکھنے کی صورت میں بدل بیان کیا جائے۔ البتہ پہلے یہ اختیار عام تھا، جو روزہ رکھ سکتے ہیں ان کے لیے بھی اور جو نہ رکھ سکیں ان کے لیے بھی۔ اب یہ خاص ہے صرف ان لوگوں کے لیے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور اسی پر آج بھی اہل علم کا فتویٰ ہے۔

[1] بخاری کتاب التفسیر، (4507) مسلم، کتاب الصیام (1145)

کھانا کھلانے کی کیفیت:

روزہ نہ رکھ سکنے کی صورت میں ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا، اب کھانا کھلانے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے کچھ طریقے اہل علم نے بیان کیے ہیں۔

۱۔ مہینے کے آخر میں ۲۹ یا ۳۰ بندوں کا کھانا تیار کروائے پھر ۲۹ یا ۳۰ مساکین کو وہ کھانا کھلا دے۔ یہ طریقہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔[1]

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ: روزانہ کے روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ: انہیں تیار پکا ہوا کھانا نہ کھلائے بلکہ کھانے کی مد میں ہر مسکین کو اناج کی صورت میں کھانا ادا کرے، ہر روزے کے بدلے سوا ایک سے ڈیڑھ کلو تک آٹا، چاول، جو، کھجور وغیرہ ادا کرے، اور یاد رہے اناج ادا کرنے کی صورت میں اس کے ساتھ ساتھ سالن کی صورت میں بھی کوئی معقول سالن دینا بہتر ہے تاکہ وہ مکمل کھانہ شمار ہو جائے۔

نوٹ:

۱۔ مذکورہ تینوں صورتوں میں سے جس کی جو استطاعت ہو کوئی بھی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔

۲۔ کھانے کا معیار ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا انسان خود کھاتا اور اپنے گھر والوں کو کھلاتا ہے۔

۳۔ مالدار اور اہل ثروت حضرات اگر تیسری صورت اختیار کریں تو بہتر ہے۔ کیونکہ یہ صورت مسکین اور اس کے اہل وعیال کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

۴۔ ماہِ رمضان شروع ہونے سے پہلے اگر کوئی شعبان یا شعبان کے آخر میں رمضان کے روزوں کا فدیہ ادا کرے تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا یہ عمل وقت سے پہلے شمار ہوگا اور وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ماہِ رمضان کے روزے شعبان میں ادا کرلے۔

---

[1] أخرجه الدارقطني (207/2) وصححه الألباني في «الارواء» (21/4).

مریض کے لیے روزہ رکھنا بہتر ہے یا چھوڑنا

جہاں تک مریض یعنی بیمار شخص کے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا مسئلہ ہے اس میں کچھ تفصیل ہے۔

مریض کے لیے روزہ رکھنا یا نہ رکھنا اس کی حالت پر مبنی ہے۔ اور اسکی ۳ صورتیں ہیں:

ا) بیماری اگر معمولی وخفیف سی ہو جیسے معمولی سا نزلہ، زکام، سر یا جسم میں ہلکا سا درد وغیرہ تو ایسی صورت میں روزہ ترک کرنا جائز نہیں بلکہ روزہ رکھنا ضروری ولازمی ہوگا۔

ب) اگر بیمار شخص کے لیے روزہ رکھنا تکلیف و مشقت کا باعث ہو لیکن روزہ رکھنے سے کوئی نقصان نہ پہنچے تو ایسی صورت میں روزہ نہ رکھنا ہی مسنون و بہتر ہے اور روزہ رکھنا غیر مناسب ہے۔

ج) اور اگر مریض کے لیے روزہ رکھنا باعثِ نقصان وضرر ہو جیسے کینسر، شوگر، بلڈ پریشر جیسی بڑی بیماریاں، اسی طرح وہ شخص جو کسی دائمی بیماری میں مبتلا ہو۔ الغرض ہر وہ بیماری جس میں روزہ رکھنا نقصان کا سبب بن جائے ایسی حالت میں روزہ رکھنا ناجائز و حرام ہے۔

اور اگر اس آخری صورت میں جس میں روزہ رکھنا ناجائز ہے اگر کوئی روزہ رکھ لے، تو اس صورت میں اہل علم کے نزدیک اس کا روزہ رکھنا اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی وجہ سے وہ گناہ گار بھی ہوگا۔ کیونکہ اس حالت میں اس کا روزہ رکھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ممنوعہ ایام میں روزہ رکھے، جیسے ایام عیدین میں روزہ رکھنا وغیرہ وغیرہ۔

نوٹ: ضرر و نقصان کا ضابطہ کیا ہے اسکی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۵) مسافر

اسی طرح وہ شخص جو حالتِ سفر میں ہو یعنی مسافر ہو تو اس پر بھی روزہ فرض نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ البقرة: ۱۸۵

"ہاں اگر کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر سکتا ہے (کیونکہ) اللہ"۔

اور اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ مسافر حالتِ سفر میں، وزہ افطار کر سکتا ہے۔

مسافر کا حالتِ سفر میں روزہ رکھنا

اس سلسلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ کیا مسافر حالتِ سفر میں روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ روزہ رکھلے تو اس روزہ کا کیا حکم ہے؟

اولاً: جمہور اہل علم "اہل علم کی اکثریت" کا یہی قول وفتویٰ ہے کہ مسافر کے لیے حالتِ سفر میں روزہ رکھنا واجب نہیں ہے بلکہ اسے دوران سفر اجازت ہے کہ وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے۔ اور سفر سے واپسی پر اس پر متروکہ روزوں کی قضا لازم آئے گی۔

اور جہاں تک دورانِ سفر اسکے روزہ رکھنے کے جائز ہونے کا سوال ہے تو:

مسافر کو روزہ رکھنے یا چھوڑنے کا مکمل اختیار ہے اور اگر وہ رکھ لیتا ہے تو اسکا روزہ صحیح ہے اور اگر چھوڑتا ہے تو اس کی قضا ادا کرے گا

جس کی دلیل رسول اکرم ﷺ کا مسافر سائل کو یہ فرمانا ہے۔"ان شئت فصم وان شئت فافطر" چاہو تو روزہ رکھ لو اور چاہو تو چھوڑ دو۔[1]

اسی طرح خود رسول اکرم ﷺ سے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی دوران سفر روزہ رکھنا ثابت ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام میں دورانِ سفر: روزہ رکھنے والے اور چھوڑنے والے دونوں موجود ہوتے اور کوئی کسی پر تنقید واعتراض نہیں کرتا تھا۔[2]

اسی طرح وہ تمام روایات جو اس معنی میں کتب احادیث میں مذکورہ ہیں سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسافر کو روزہ رکھنے اور چھوڑنے دونوں کی اجازت ہے۔

مسافر کے لیے روزہ رکھنا بہتر ہے یا چھوڑنا ؟

یہ مسئلہ بھی اہم ہے کہ مسافر کے لیے افضل اور بہتر کیا ہے؟ روزہ رکھنا یا چھوڑنا؟ بعض اہل علم

---

[1]) صحیح بخاری کتاب الصیام، باب الصوم فی السفر والافطار ۱۹۴۳، ومسلم الصیام، ۱۱۱۲

[2]) صحیح البخاری، الصوم، باب لم یعب اصحاب النبی بعضهم بعضا فی الصوم والافطار ۱۹۴۷، ومسلم الصیام، ۱۱۸

کہتے ہیں کہ رکھنا بہتر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نہ رکھنا بہتر ہے اور بعض کہتے ہیں مسافر کو اختیار ہے چاہے تو رکھ لے اور چاہے تو نہ رکھے، اس کے حق میں دونوں برابر ہیں۔

لیکن راجح قول یہ ہے کہ مسئلہ میں تفصیل ہے۔

اور وہ یہ کہ یہاں ۳ صورتیں ہیں۔

۱۔ اگر روزہ رکھنا یا نہ رکھنا دونوں برابر ہوں یعنی روزہ رکھنے سے کوئی فرق نہ پڑے تو ایسی صورت میں روزہ رکھنا ہی بہتر و افضل ہے۔

کیونکہ رسول اکرم ﷺ سے سخت گرمیوں میں دوران سفر روزہ رکھنا ثابت ہے۔[1] اور اس لیے بھی کہ جب روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں برابر ہوں تو وقت پر روزہ رکھنا ہی بہتر ہے، کیونکہ اس سے وقت پر فرض بھی ادا ہو جائیگا اور دوسرا یہ کہ رمضان المبارک میں رکھا جانے والا روزہ غیر رمضان کے روزہ سے افضل ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دورانِ سفر روزہ رکھنا مشقت و تکلیف کا سبب ہو۔

ایسی صورت میں روزہ نہ رکھنا ہی بہتر و افضل ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ ایک موقع پر آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ سفر میں تھے اور سب روزہ سے تھے کہ آپ ﷺ کو خبر دی گئی کہ لوگوں پر روزہ رکھنا (دوران سفر) بہت مشکل اور تکلیف کا باعث بن رہا ہے، لیکن لوگ آپ ﷺ کی اقتدا میں روزہ رکھے ہوئے ہیں کیونکہ آپ بھی روزہ سے ہیں۔ سو آپ ﷺ نے سنتے ہی پانی کا پیالہ منگوایا، اسے اپنی ران سے اوپر اٹھایا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں پھر آپ ﷺ نے وہ پانی پی لیا اور لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے تاکہ آپ کی اقتدا کر سکیں۔ پھر آپ کو بتایا گیا کہ کچھ لوگ ہیں جو ابھی بھی روزے سے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا یہی لوگ نافرمان ہیں۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔[2]

---

[1]) أخرجه البخاري في الصوم (1945)؛ ومسلم في الصيام/ باب التخيير في الصوم والفطر في السفر (1122).

[2]) أخرجه مسلم في الصيام/ باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان للمسافر في غير معصية (1114)

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ مسافر کے لیے اگر روزہ رکھنا مشقت وتکلیف کا باعث ہو تو اس کے لیے روزہ چھوڑنا اور نہ رکھنا ہی بہتر و افضل ہے اور اگر وہ روزہ رکھ لے اور پھر بعد میں دورانِ سفر مشقت محسوس کرے تو اسے روزہ افطار کر لینا چاہیے۔ یعنی وقت سے پہلے جب بھی مشقت محسوس کرے تو روزہ توڑ لے، اور بعد میں اسکی قضا کرے، یہی مسنون بھی ہے اور یہی افضل و اولیٰ ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر روزہ رکھنے میں ضرر و نقصان کا خدشہ ہو

تو ایسی صورت میں روزہ رکھنا حرام و ناجائز اور باعثِ گناہ ہے۔ کیونکہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ ﴾ النساء: ۲۹

اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ بلاشبہ اللہ تم پر نہایت مہربان ہے۔

آیت میں اگرچہ قتل و ہلاکت کا ذکر ہے لیکن آیت میں قتل و ہلاکت کے ساتھ ساتھ ہر وہ چیز شامل ہے جس میں ضرر یعنی نقصان ہو۔ کیونکہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے ضرر و نقصان پر استدلال کیا تھا اور رسول اکرم ﷺ نے ان کی تائید فرمائی تھی۔ [1]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا (جو انتہائی گھبراہٹ و تکلیف میں تھا) اس پر سایہ بھی کیا جا رہا تھا، لوگ اس کے ارد گرد تھے آپ نے پوچھا کہ اسے کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ "روزہ" سے ہے (یعنی روزہ میں ہونے کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: "سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔ [2] یہ فرمان خاص اُس شخص کے لیے ہے جس کیلیے روزہ رکھنا دورانِ سفر باعث مشقت ہو جیسا کہ مذکورہ شخص کی حالت تھی۔

ضرر و نقصان کا ضابطہ:

---

[1]) أخرجه البخاري معلقاً بصيغة التمريض في التيمم/ باب إذا خاف الجنب على نفسه المرض أو الموت.... ووصله أبو داود في الطهارة/باب إذا خاف الجنب البرد أيتيمم؟ (334)، والدارقطني (178/1) وصححه ابن حبان (1315) والحافظ في الفتح.

[2]) أخرجه البخاري في الصوم/ (1946) ومسلم في الصيام/ (1115) عن جابر رضي الله عنه.

ضرر نقصان کی پہچان دو طرح سے کی جا سکتی ہے:

ا۔ایک "حس" کے ذریعہ۔ یعنی بیمار یا مسافر اپنی کیفیت سے خود اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر وہ روزہ رکھیں گے تو کیا اس کی وجہ سے ان کی بیماری یا سفر کی مشقت میں اضافہ ہو سکتا ہے یا ایسی کمزوری لاحق ہو سکتی ہے جو انہیں ہلاکت میں ڈال دے وغیرہ وغیرہ۔

۲۔دوسری صورت ہے "خبر و معلومات کے ذریعہ" یعنی کوئی بااعتماد قابل ڈاکٹر یہ بتائے کہ روزہ رکھنے میں ضرر و نقصان واقع ہو سکتا ہے۔لیکن یاد رہے کہ اس حوالہ سے کسی عام آدمی یا کسی نیم حکیم یا کوئی ایسا ڈاکٹر جو قابل اعتماد نہ ہو اس کا قول معتبر نہیں ہو گا۔

مسلم و غیر مسلم ڈاکٹر:

جہاں تک ڈاکٹر کے مسلمان یا غیر مسلم ہونے کا تعلق ہے یعنی کیا اس مسئلہ میں کسی غیر مسلم ڈاکٹر پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟؟

اس میں اہل علم کی دو آراء میں سے راجح رائے یہی ہے کہ ڈاکٹر کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ مسئلہ ھذا میں ڈاکٹر کی رائے کا تعلق میڈیکل کے شعبہ سے ہے اور MEDICALLY کیا نقصان دہ ہے اور کیا نہیں یہ ڈاکٹرز ہی بہتر جانتے ہیں اور کافروں کا قول دنیاوی شعبوں میں چند اہم قیود و شروط کے ساتھ معتبر ہے۔ جس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا عمل ہے۔آپ ﷺ نے بعض انتہائی خطرناک اور نازک معاملات میں کافروں پر بھی اعتماد کیا ہے۔ جیسا کہ ہجرت کے موقع پر آپ ﷺ نے بنی الدّیل قبیلہ کے، عبداللہ بن اریقط نامی مشرک کو راستے کی نشاندہی کے لیے اجرت پر اپنے ساتھ رکھا[1] اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، کیونکہ قریشِ مکہ آپ ﷺ کی تلاش میں تھے، آپ کی جان سخت خطرے میں تھی اور انہوں نے آپ ﷺ کا پتہ بتانے والے کو سو عدد بہترین اونٹنیاں انعام میں دینے کا اعلان کیا تھا۔ایسے میں کسی بھی شخص پر اعتماد کرنا

[1]) أخرجه البخاري في الإجارة/ باب استئجار المشركين عند الضرورة أو إذا لم يوجد أهل الإسلام (2263)

خطرے سے خالی نہ تھا چہ جائکہ کسی کافر پر اعتماد کیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے ایک کافر پر اعتماد کرتے ہوئے اسے راستے کی راہنمائی کے لیے اپنے ساتھ رکھا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کافر امین ہو، بااعتماد ہو، اپنے کام میں ماہر ہو، تو اس کی بات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ: مسئلہ ھذا میں غیر مسلم ڈاکٹر کی بات پر اعتماد کرنے سے پہلے اس بات کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ وہ متعصب نہ ہو، یعنی اسلام اور شعائر اسلام کے بارے میں متعصّبانہ رائے نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح اس کے مقابلے میں کوئی ماہر مسلم ڈاکٹر بھی موجود نہ ہو۔ اگر کوئی قابل اعتماد ماہر مسلم ڈاکٹر موجود ہو تو اسی کی بات پر اعتماد کرنا چاہیے اور غیر مسلم ڈاکٹر سے رجوع کرنے سے احتراز کرنا چاہیے واللہ اعلم۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص روزہ کے دوران سفر پر روانہ ہو تو اس کے لیے روزہ افطار کرنا (روزہ توڑنا) جائز ہے یا نہیں؟

اس میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے جس میں راجح قول یہی ہے کہ اگر اسے مشقت و تکلیف محسوس ہو تو بہتر ہے کہ وہ روزہ افطار کر لے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ شہر سے باہر آ جائے۔ یعنی اگر اس نے سفر شروع کر دیا اور وہ شہر میں ہی ہے تو اس کے لیے روزہ کھولنا جائز نہیں۔

اور اگر روزہ مکمل کرنے میں کوئی مشقت نہ ہو تو وہ روزہ مکمل کرے گا اور اس کے لیے روزہ توڑنا مناسب نہیں۔

(6) وہ امور جو روزہ کی فرضیت میں رکاوٹ ہوں

چھٹی صورت: روزہ فرض نہ ہونے کی وجہ ہے "الخلو من الموانع"۔ یعنی وہ امور جو روزہ فرض ہونے میں رکاوٹ بنتے ہیں اور وہ دو ہیں۔

حیض اور نفاس :

یہ صورت خواتین کے ساتھ خاص ہے یعنی خواتین پر دورانِ حیض ونفاس روزہ فرض نہیں، جب تک کہ وہ ان دونوں سے فارغ نہ ہو جائیں۔ دلیل نبی مکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ: عورت جب حائضہ ہو جائے تو وہ نماز نہیں پڑھتی اور نہ ہی روزہ رکھتی ہے۔[1]

(ا) اس بات پر اتفاق ہے کوئی اختلاف نہیں کہ ایسی حالت میں عورت پر روزہ واجب نہیں۔

ب) اور اگر وہ رکھ بھی لے تب بھی وہ ادا نہیں ہو گا بلکہ فاسد الاعتبار اور ناقابل قبول ہو گا۔

ج) اور جب وہ حیض یا نفاس سے فارغ ہو جائے تو اس پر قضا واجب ہو گی۔[2]

ان تینوں باتوں پر اجماع ہے۔

مسئلہ: حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین:

حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین کے لیے بھی " جائز " ہے کہ وہ روز ترک کر سکتی ہیں، اگرچہ وہ دونوں بیمار بھی نہ ہوں۔ کیونکہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت مریض اور مسافر کی طرح ہیں۔ اور یہ رخصت حمل اور دودھ پلانے کے ابتدائی، درمیانے، اور آخری سب دنوں کو شامل ہے، جو کہ انہیں انکی اور انکے بچے کی رعایت کرتے ہوئے دیگئی ہے۔

اسکی دلیل رسولِ اکرم کا یہ فرمان ہے کہ: اللہ تعالی نے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کو روزہ کی رخصت دی ہے۔[3]

لیکن مسئلہ میں کچھ تفصیل بھی ہے:

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے لیے روزہ چھوڑنا بعض اوقات جائز اور کبھی واجب اور کبھی حرام ہوتا ہے:

- جب انہیں روزہ رکھنے میں کوئی مشقت نہ ہو تو انکا روزہ رکھنا واجب اور ترک کرنا حرام ہے۔

---

[1]) أخرجه البخاري في الحيض/ باب ترك الحائض الصوم (304)

[2]) أخرجه البخاري 1 / 83، ومسلم 1 / 265 برقم (335)

[3]) أخرجه أحمد (347/4) وأبو داود والترمذي والنسائي وابن ماجه وحسنه الترمذي، وفي تخريج «المشكاة» (2025) «سنده جيد».

- جب انہیں روزہ رکھنے میں مشقت ہو لیکن روزہ رکھنا انہیں نقصان نہ دے تو انکے لیے روزہ چھوڑنا جائز ہے۔
- جب روزہ رکھنے کی وجہ سے ان پر یا انکے بچے پر ضرر اور نقصان مرتب ہوتا ہو تو روزہ رکھنا حرام اور چھوڑنا واجب ہے۔

شیخ محمدؒ بن صالح العثیمین رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

حاملہ عورت کی دو حالتیں ہیں:

پہلی حالت: وہ عورت قوی اور طاقتور اور نشیط ہو روزہ رکھنے کی وجہ سے اسے کوئی مشقت نہ ہو اس کے بچے پر بھی کوئی ضرر نہ ہو تو اس عورت پر روزہ رکھنا واجب ہے، کیونکہ روزہ چھوڑنے کے لیے اس کے پاس کوئی عذر نہیں۔

دوسری حالت: عورت ثقل حمل کی وجہ سے روزے کی متحمل نہ ہو یا پھر کمزوری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے، تو اس حالت میں وہ روزہ نہیں رکھے گی اور خاص کر جب اس کے بچے کو ضرر ہو تو اس وقت اس کے لیے روزہ ترک کرنا واجب ہے.

روزہ کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے اور کن سے نہیں:

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے ۳ بنیادی چیزیں ذکر کی ہیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور وہ ہیں: جماع (ہمبستری)، کھانا اور پینا یعنی صبح فجر صادقہ سے شام سورج غروب ہونے تک ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب بھی روزہ کو فاسد (توڑ) کر دیتا ہے۔ اور اس بات پر اہلِ علم کا اجماع ہے۔

اللہ فرماتا ہے: ﴿ فَالْـَٰٔنَ بَٰشِرُوهُنَّ وَٱبْتَغُوا۟ مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ مِنَ ٱلْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا۟ ٱلصِّيَامَ إِلَى ٱلَّيْلِ ﴾ البقرة: ۱۸۷

"سو اب تم ان سے مباشرت کر سکتے ہو اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے مقدر کر رکھا ہے اسے طلب کرو۔ اور فجر کے وقت جب تک سفید دھاری، کالی دھاری سے واضح طور پر نمایاں نہ ہو جائے تم کھا پی سکتے ہو۔ پھر رات تک اپنے روزے پورے کرو"۔

- اسی طرح روزہ توڑنے والی چیزوں کے باب میں اہلِ علم نے ایک انتہائی اہم قاعدہ بیان کیاہے جسکاہر وقت ذہن میں رہنا ضروری ہے، اور وہ یہ ہیکہ :

"جن چیزوں کے بارے میں اختلاف ہو کہ ان سے روزہ ٹوٹتا ہے کہ نہیں، اور قرآن وحدیث میں صراحت سے اسکا حکم نہ ملے تو اسوقت تک اس چیز کو روزہ توڑنے والی چیز قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ کوئی واضح دلیل نہ مل جائے"۔

اس طرح مذکورہ ۳ متفقہ چیزوں کے علاوہ، زیادہ تر روزہ توڑنے والی اختلافی چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔[1]

اور وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے دو طرح کی ہیں:

۱۔ وہ کہ جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے بدلے روزہ کی قضاء لازم آتی ہے۔

۲۔ وہ کہ جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے بدلے روزہ کی قضاء اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔

روزہ توڑنے والے وہ امور جن سے صرف قضاء لازم آتی ہے :

وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ جان بوجھ کر کھانا اور ۲۔ پینا: ہاں اگر بھولے سے یا غلطی سے یا کسی کے انتہائی مجبور کرنے پر کھانے یا پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا[2] اور نہ اس کا قضاء و کفارہ لازم آتا ہے۔

خواہ کسی معقول چیز کو کھایا جائے جیسے عموماً کھانے پینے کی چیزیں یا کسی بھی غیر معقول چیز کو کھایا جائے جنہیں عادۃً کھایا یا پیا نہیں جاتا۔ جیسے مٹی، کچے اناج و پھل وغیرہ۔ اسی طرح کاغذ، روئی وغیرہ۔ ان سب سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور یہاں کھانے اور پینے سے مراد وہ چیزیں ہیں جنہیں منہ کے ذریعہ معدے میں داخل کیا جائے۔ وہ کھانے کی ہوں یا پینے کی۔ اور وہ فائدہ مند ہوں، جیسے پکا ہوا اناج اور گوشت، پانی و دودھ وغیرہ۔ یا نقصان دہ جیسے حقہ، شیشہ، تمباکو، گٹکا، مین

---

[1]) دیکھیے : الشرح الممتع لشیخ عثیمین رحمه الله

[2]) البخاری (الفتح 4 / 155 ط . السلفية) ومسلم (2 / 809 ط . الحلبي)

پوری، نسوار، سگریٹ ودیگر نشہ آور چیزیں، یا پھر وہ جس میں نفع ونقصان دونوں نہ ہوں۔

- اسی طرح اس میں وہ انجکشنز بھی شامل ہیں جو غذا کے طور پر مریض کو دیے جاتے ہیں
- اسی طرح وہ دوائی بھی روزہ توڑ دیتی ہے جو ناک کے ذریعہ انسان کے دماغ یا پیٹ میں پہنچ جاتی ہے، اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے روزہ کی حالت میں دورانِ وضوء ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ سے منع فرمایا ہے۔[1] جس کی وجہ یہی ہے کہ کہیں وہ پانی دماغ یا معدہ تک نہ پہنچ جائے۔ اور اس حدیث سے اہل علم نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ "ہر وہ چیز جو منہ یا ناک کے ذریعہ معدہ تک پہنچے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔" ہاں اگر وہ ناک ہی میں باقی رہے اور دماغ تک نہ پہنچے تو اس سے روزہ نہین ٹوٹتا اور اس کے استعمال مین کوئی حرج نہیں۔
- اسی طرح روزہ میں بھاپ (STEAM) لینا بھی روزہ توڑ دیتا ہے۔
- اسی طرح وہ دوائی جو آنکھ میں ڈالی جائے، اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، یہی قول راجح ہے کیونکہ اسے لغت یا عرف میں کھانا پینا قرار نہیں دیا جا سکتا اور روزہ ٹوٹنے کی جو علت قرآن میں بیان کی گئی ہے وہ (الاکل والشرب) یعنی کھانا پینا ہے۔
- ہاں اگر آنکھ میں ڈالی جانی والی دوا اگر منہ میں پہنچ جائے اور پھر اسے نگل لیا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ وہ پینے کے حکم میں شمار ہوگا۔ لیکن اگر وہ منہ کے بجائے صرف حلق تک پہنچتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔
- اسی طرح "سرمہ" سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، اور آنکھوں میں لگائی جانے والے وہ تمام اشیاء جو دوائی یا میک اپ کے طور پر استعمال ہوتی ہیں جیسے Eyeliner , Maskara, Kajal, Lenses وغیرہ ان کا استعمال بھی روزہ میں کیا جا سکتا ہے۔
- اسی طرح اگر خون کی یا کسی اور چیز کی ڈرپ لگواتا ہے تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

---

[1] أخرجه الترمذي (3 / 146 الحلبي) وقال حسن صحيح وصححه الألباني صحيح الترمذي (631)

- اسی طرح کان میں ڈالی جانے والی دوا یا تیل اگر دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے وگرنہ نہیں۔ اس لیے اس میں بھی احتیاط کرنا چاہیے۔
- اسی طرح ہر وہ چیز جو منہ یا ناک کے علاوہ کسی اور جگہ سے معدہ تک پہنچے راجح قول کے مطابق جبتک وہ کھانے یا پینے یا انکے حکم میں داخل نہ ہو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور اس کے مقابلے میں ہر وہ چیز جو منہ یا ناک کے راستے معدے تک پہنچے وہ کھانے کی ہو یا پینے کی وہ فائدہ مند ہو یا نقصان وہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
- اسی طرح اگر کھانے یا پینے کے طور پر منہ یا ناک کے علاوہ کسی اور مقام سے کوئی چیز معدہ تک پہنچائی جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔
- مذکورہ تمام روزہ توڑ دینے والی صورتوں میں متروکہ روزہ کی قضاء لازم آئے گی۔[1] واللہ اعلم

جسے طلوعِ فجر یا غروبِ شمس میں شک ہو اور وہ کھا پی لے؟

مسئلہ میں تفصیل ہے، یہاں دو صورتیں ہیں:

طلوع فجر میں شک: اور اس کی پانچ صورتیں ہیں:

۱۔ کہ اسے یقین ہو کہ فجر کا وقت نہیں ہوا۔ جیسا کہ آج کل باقاعدہ گھڑیاں موجود ہیں اور وقت متعین ہو چکا ہے تو گھڑی کے مطابق وقت نہیں ہوا، ایسی حالت میں اس کا روزہ صحیح ہے۔

۲۔ اسے یقین ہو فجر کا وقت ہو گیا ہے۔ ایسی حالت میں اس کا روزہ اگر وہ کھاتا پیتا رہا تو فاسد ہو گیا۔

۳۔ اسے شک ہو کہ ٹائم ہوا کہ نہیں، لیکن غالب گمان یہ ہو کہ وقت ابھی باقی ہے۔ اس صورت میں اگر وہ کھا پی لیتا ہے تو اس کا روزہ صحیح ہے۔

۴۔ اسے شک ہو اور غالب گمان ہو کہ وقت ختم ہو گیا ہے، لیکن یقین نہ ہو: تو وہ کھا پی سکتا ہے کیونکہ وقت کے اعتبار سے یقین پر حکم لگے گا۔ اس صورت میں بھی اس کا روزہ صحیح ہے۔

۵۔ اسے شک ہو اور غالب گمان بھی کچھ نہ ہو کہ وقت ختم ہو گیا یا باقی ہے؟ ایسی صورت میں بھی

---

[1] الشرح الممتع لشیخ عثیمین رحمه الله

کھانے پینے پر روزہ صحیح ہے۔

مذکورہ تمام صورتوں کی دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ البقرة: ۱۸۷ اور فجر کے وقت جب تک سفید دھاری، کالی دھاری سے واضح طور پر نمایاں نہ ہو جائے تم کھا پی سکتے ہو۔

یعنی " جب تک فجر واضح نہ ہو جائے کھاتے اور پیتے رہو" یہاں وضاحت (یقین) کی قید لگائی گئی ہے جو کہ شک کی ضد ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ جب تک وقت ختم ہونے کا یقین نہ ہو جائے طلوع یقین کے ساتھ تو انسان کھا پی سکتا ہے اور اس کا روزہ صحیح ہے۔

دوسری صورت: غروب آفتاب (سورج غروب ہونے) میں شک ہو۔

اور وہ اسی دوران کھا پی لے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا، کیونکہ اسی مذکورہ آیت میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے ﴿ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ﴾ البقرة: ۱۸۷

پھر رات تک اپنے روزے پورے کرو۔

اس لیے رات تک روزہ مکمل کرنا اور سورج غروب ہونے کا یقین کرنا، افطاری کرنے سے پہلے ضروری ہے۔ کیونکہ اسی صورت میں یقین یہ ہے کہ کھانا اس وقت تک شروع نہ کیا جائے جب تک غروب آفتاب کا یقین نہ ہو، اس لیے جو اس سے پہلے کچھ کھا پی لے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اور وہ اس کی قضاء کرے گا۔ ہاں! اگر غروب آفتاب کا غالب گمان ہو اور کھا لیا تو اس کا روزہ صحیح ہے، کیونکہ ایسی صورت میں روزہ ٹوٹنے کا حکم لگانے کے لیے سورج غروب نہ ہونے کا یقین ضروری ہے۔

اور اگر مذکورہ دونوں صورتوں میں غالب گمان کی بنیاد پر طلوع فجر یا غروب آفتاب میں شک کے باوجود کھا پی لیا اور بعد میں پتہ چلا کہ اس نے فجر کے وقت کے بعد یا غروب آفتاب سے پہلے کھایا ہے تو اہل علم کے دو اقوال میں سے راجح یہ ہے کہ اس کا روزہ صحیح ہے اور اس پر کوئی قضا نہیں۔

کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥﴾ ﴾ الأحزاب: ٥

اور کوئی بات تم بھول چوک کی بناپر کر دو تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں، مگر جو دل کے ارادہ سے کہو (اس پر ضرور گرفت ہوگی) اللہ تعالیٰ یقیناً معاف کرنے والا ہے، رحم کرنے والا ہے۔

اس طرح فرمان رسول ﷺ ہے: کہ میری امت پر سے اللہ نے غلطی و خطا کو معاف کر دیا ہے [1]۔ اسی طرح مصنف عبد الرزّاق میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بادلوں کے باعث سورج کا غروب ہونا صحابا سے مخفی رہا اور انہوں نے روزہ افطار کر لیا پھر بعد میں انہیں حقیقت کا پتہ چلا تو لوگوں پہ بڑا گراں گزرا اور انہوں نے قضا کرنا چاہی تو سیدنا عمر نے فرمایا کہ ہم نے گناہ کی غرض سے (جان بوجھ کر) ایسا نہیں کیا، اور انہیں قضاء سے منع کر دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس سے دو باتیں پتہ چلتی ہیں:

ا۔ بادلوں کی وجہ سے مطلع صاف نہ ہو تو روزہ کھولنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

ب۔ اگر روزہ کھولنے کے بعد غلطی کا پتہ چلے تو اس کی قضاء نہیں۔

اور ان دونوں کی دلیل صحابہ کا عمل ہے جو دین کے زیادہ عالم اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سب سے بڑھ کر اطاعت گزار تھے۔

۳۔ جان بوجھ کر قئے (الٹی) کرنا : قئے (الٹی) کی دو صورتیں ہیں:

ا۔ جان بوجھ کر، خواہ وہ کسی بھی طرح کی جائے۔ انگلی حلق میں ڈال کر، یا جان بوجھ کر ایسا دیکھنا، سننا، سونگھنا، یا پیٹ کو اتنا دبانا کہ جس سے قیے آسکے اس طرح اگر قئے آجائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اس کی قضاء لازم آتی ہے۔ اور اگر کوئی جان بوجھ کر قئے کرنا چاہے اور قئے نہ آئے تو روزہ نہیں ٹوٹتا جب تک کہ قئے نہ آجائے۔

[1]) أخرجه ابن ماجه في الطلاق(2043/2045)و صححه ابن حبان(7219) و الحاكم (198/2)على شرط الشيخين ووافقه الذهبي.

۳۔ہاں اگر غلطی سے نہ چاہتے ہوئے کسی کو قے آجائے: تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جسے خود بخود قے آجائے اس پر کوئی قضاء نہیں (اور اس کا روزہ بھی نہیں ٹوٹتا) اور جو جان بوجھ کر قے کر لے اسے چاہیے کہ وہ اس روزے کی قضاء کرے (کیونکہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا)[1] اور امام خطابی رحمہ اللہ بھی اس بات پر اہل علم کا اجماع واتفاق بھی نقل کرتے ہیں۔

۴۔ حیض یا نفاس کا خون آجانا: اس طرح حیض ونفاس کا خون آجانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مثلاً خاتون نے صبح روزہ رکھا اور دوپہر یا شام افطاری سے پہلے اگرچہ کچھ لحظہ پہلے ہی کیوں نہ ہو اسے پیریڈ (ایام ماھواری) شروع ہو گئے تو اس کا وہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح جس عورت کو نفاس کا خون (جو کہ ولادت کے بعد آتا ہے) جاری ہو۔ اس کا بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور جب تک مذکورہ دونوں حالتیں باقی ہوں روزہ ساقط ہو جائے گا اور متروکہ روزہ کی قضاء لازم آئے گی۔ اس بات پر بھی اہلِ علم کا اجماع ہے۔

۵۔ الاستمناء:

استمناء سے مراد ہے کہ کسی بھی طریقے سے منی نکالنا، خواہ وہ ہاتھ کے ذریعہ ہو یا کسی اور ذریعہ سے اور خواہ ایسا کرنے والا غیر شادی شدہ ہو یا شادی شدہ جو اکیلے ایسا کرے یا اپنی اہلیہ کے بوس وکنار یا چھونے کی وجہ سے انزال ہو جائے۔ اسی طرح اس میں لڑکا اور لڑکی دونوں برابر ہیں۔

مذکورہ تمام صورتوں میں انزال (منی نکلنے) پر روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی قول اکثر اہل علم کا ہے۔ جن میں ائمہ اربعہ، ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ شامل ہیں، اور ایسی صورت میں وہ روزہ باطل ہو جائے گا اور اس کے بدلے قضاء لازم آئے گی۔

روزہ میں نظر (دیکھنے) کے باعث انزال ہونا:

یعنی دیکھنے کی وجہ سے انزال (خروج منی) ہو جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

---

[1]) أخرجه أحمد(498/2) وأبو داود في الصيام(2380) والترمذي في الصوم(720)

ا۔ ایک ہی مرتبہ دیکھنے سے انزال ہو جانا۔ ایسی صورت میں اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ کچھ لوگ اپنی قوتِ شہوت اور سرعتِ انزال کے باعث بہت حساس ہوتے ہیں اور ایسی صورت میں ان کے لیے روزہ ٹوٹ جانے کا فتویٰ باعثِ مشقت ہے۔

۲۔ ہاں اگر کوئی بار بار ایسا کچھ دیکھے یا ایک ہی مرتبہ جی بھر دیکھے حتی کہ انزال ہو جائے۔ تو ایسے شخص کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس پر اس روزہ کی قضا لازم آئے گی۔

روزہ میں فکر (سوچنے) کے باعث انزال ہونا:

اور جہاں تک فکر و تصور کے باعث انزال ہو جانے کا مسئلہ ہے تو اس میں اہلِ علم کا یہی فتویٰ ہے کہ اس کا روزہ باقی ہے اور اس پر کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اللہ تعالیٰ میری امت کے تصورات و افکار سے اس وقت تک تجاوز فرماتا ہے جب تک کہ وہ انہیں بیان نہیں کرتے یا ان پر عمل نہیں کرتے۔[1]

اسی طرح کلام (بات چیت) کا معاملہ نظر جیسا ہی ہے اگر کم بات چیت پر انزال ہو جاتا ہے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور بات چیت بہت زیادہ ہو جو انزال کا سبب بنے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ واللہ اعلم

روزہ کی حالت میں مذی کا نکلنا

مذی سے مراد وہ پانی ہے جو منی سے پہلے لذت کے باعث نکلتا ہے، جس کا احساس عموماً انسان کو نہیں ہوتا اور اس کے نکلنے سے شرمگاہ کا دھونا واجب ہو جاتا ہے۔ جبکہ کپڑوں کا دھونا اس کے لگنے سے ضروری نہیں، بلکہ ان پر صرف چھینٹے مار دینا ہی کافی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔[2]

جبکہ روزہ کی حالت میں ''مذی'' نکلنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں اسمیں اہل علم کے دو قول میں سے راجح قول کے مطابق: روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

---

[1]) أخرجه البخاري في العتق (2528) و مسلم في الإيمان (127)

[2])البخاري في العلم (132)، ومسلم في الحيض (303)

کیونکہ جو لوگ اس سے روزہ ٹوٹ جانے کے قائل ہیں ان کے پاس سوائے قیاس کے کوئی دلیل نہیں۔ اور وہ اسے " منی" پر قیاس کرتے ہیں جو کہ قیاس مع الفارق ہونے کی بنا پر فاسد ہے۔ کیونکہ شرعاً منی اور مذی کے احکام شہوت، جسمانی اور دیگر اعتبار سے انتہائی مختلف ہیں۔ جس کی بناپر ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہی فتوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی ہے۔

روزہ کی حالت میں جسم سے خون نکلنا

اس کی کچھ صورتیں ہیں۔

روزہ کی حالت میں حجامہ کرانا :

حجامہ سے مراد ہے سینگی لگوانا۔ اور حجامہ کا یہ عمل عہدِ نبوی ﷺ سے رائج ہے، جس کا مقصد جسم سے فاسد اور نقصان دہ خون کو نکالنا ہے، یہ عمل ایک چھوٹے سے کیڑے کے ذریعہ بھی کیا جاتا ہے، یعنی اُسے جس جگہ سے فاسد خون نکالنا ہو، وہاں لگا دیا جاتا اور وہ وہاں سے فاسد خون چوس لیتا ہے۔ اسی طرح یہ لوہے کے آلات کپ وغیرہ کے ذریعہ بھی کیا جاتا ہے، جسے حجامہ کرنے والا مطلوبہ جگہ پر خفیف سا کٹ لگا کر اپنے منہ میں روئی دبا کر ان آلات کے ذریعہ فاسد خون کو چوستا ہے۔ یہ عمل آج بھی جدید آلات کے ذریعہ کیا جاتا ہے، جو بہت سی مختلف اور بڑی بیماریوں کے لیے انتہائی زیادہ مفید اور مجرّب نبوی نسخہ ہے۔ جسم کے مختلف مقامات پر اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے کرنے والے کا بھی اس فن میں بہت ماہر ہونا ضروری ے۔ یہ عمل عام معالج و ڈاکٹرز بھی نہیں کر سکتے اور کسی اناڑی یا غیر متخصص کا یہ عمل کرنا نقصان کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

جہاں تک حالتِ روزہ میں حجامہ کرانے کا تعلق ہے تو اس میں اہلِ علم کا شدید اختلاف ہے۔

جمہور اہل علم حجامہ کرانے سے روزہ کے برقرار رہنے کے قائل ہیں۔ جبکہ امام احمد، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہما اللہ اور دیگر بعض اہلِ علم اس بات کے قائل ہیں کہ حجامہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

روزہ باقی رہنے کے قائلین کی دلیل صحیح بخاری میں موجود رسول اکرم ﷺ کا روزہ اور احرام کی

حالت میں حجامہ کروانا ہے۔[1]

جبکہ جو روزہ ٹوٹ جانے کے قائلین کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے حجامہ کرنے والے اور کرانے والے دونوں کے لیے اسے روزہ ٹوٹنے کا سبب قرار دیا ہے۔[2] اس روایت میں اگرچہ کلام ہے اور بعض اہلِ علم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے اسے اس باب میں سب سے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام ابن راھویہ، علی بن المدینی، امام بخاری، ابن حبان، حاکم وغیرہم رحمہم اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام نووی رحمہ اللہ نے تو اسے امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر قرار دیا ہے۔[3]

سو اس روایت کی بنا پر حجامہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس کی جو حکمت بیان کرتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حجامہ کروانے والے کے روزہ ٹوٹنے کا سبب وحکمت یہ ہے کہ حجامہ کے ذریعہ جسم سے خون نکالا جاتا ہے جو کہ جسمانی ضعف کا باعث ہے اور اس پر حجامہ کروانے کے بعد کچھ نہ کھانا اور روزہ میں باقی رہنا مزید جسمانی کمزوری کا باعث ہے۔ جس سے مستقبل میں نقصان کا خدشہ ہے اور اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تُلْقُوا۟ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى ٱلتَّهْلُكَةِ ۛ وَأَحْسِنُوٓا۟ ۛ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾ ﴾ البقرة: ١٩٥

اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اور چونکہ مذکورہ آیت میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے روکا گیا ہے، اسی لیے حجامہ کروانے والے کو فوراً روزہ افطار کرنے اور اس کے روزہ ٹوٹ جانے کی خبر دی گئی ہے۔ تاکہ حجامہ کے بعد

---

[1]) البخاري في الصوم/ باب الحجامة والقيء للصائم (1938)

[2]) أخرجه أحمد (123/4)؛ وأبو داود في الصيام (2368)؛ والنسائي في «السنن الكبرى» (3126) ط/الرسالة؛ وابن ماجه في الصيام (1681)؛ وصححه ابن حبان (3533)؛ والحاكم (428/1).

[3]) «التلخيص» للحافظ (193/2)، «شرح المهذب» (350/6)، وانظر طرق هذا الحديث في «السنن الكبرى» للنسائي.

روزہ اس کی ہلاکت میں پڑنے یا نقصان کا سبب نہ بنے۔ کیونکہ مسلمان کو ہر اس چیز سے روکا گیا ہے جو اس کے لیے باعثِ نقصان و ہلاکت ہو۔ سو اسی بنا پر روزہ کی حالت میں بغیر کسی معقول و ضروری وجہ کے سینگی لگانا " ناجائز " ہے اور جو مجبوراً سینگی (حجامہ) لگوائے تو اسے چاہیے کہ روزہ توڑ دے اور بعد میں اس کی قضاء کرے۔

اور جہاں تک حجامہ کرنے والے معالج کے روزہ ٹوٹنے کا سبب و حکمت ہے وہ یہ ہے کہ اُس زمانے میں حجامہ کرنے والا آلات کے ذریعہ مطلوبہ جگہ سے خود خون نکالنے کے لیے چوستا تھا، جیسا کہ پیچھے تفصیلاً بیان ہوا ۔ اور ایسی صورت میں پریشر کے باعث خون کا اس کے منہ میں آنا اور پیٹ میں جانے کا خدشہ بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے افطار کا حکم دیا گیا، اور پھر آگے شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اگر حجامہ کرنے والا خود ایسا نہیں کرتا اور یہ خدشہ ختم ہو جاتا ہے (جیسا کہ آج کل کے زمانے میں ایسا نہیں ہوتا) تو حجامہ کرنے والے کا روزہ باقی رہتا ہے۔ کیونکہ شرعی احکام میں علتوں (وجوہات و اسباب) کی بنیاد پر حکم (فتویٰ) لگائے جاتے ہیں۔ انتہی کلامہ

جسم سے خون نکلنے کی دیگر صورتیں

جسم سے خون نکلنے کی دوسری صورت: یہ ہے کہ کسی بھی وجہ سے جسم سے اتنی مقدار میں خون نکل جائے جو معمولی نہ ہو، جو جسمانی کمزوری کا سبب ہو، وہ کسی حادثہ کے باعث ہو، یا کسی کو خون دینے کی وجہ سے، اور پھر وہ خون کا عطیہ ضرورۃً ہو یا بلا ضرورت ان تمام صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جسم سے خون نکلنے کی تیسری صورت: یہ ہے کہ جسم سے معمولی مقدار میں خون نکلے، جیسے دانتوں سے خون کا آنا (اسے نگلنا نہیں چاہیے بلکہ تھوک دینا چاہیے) اور خارش کی وجہ سے یا زخم کی خرابی یا بگڑ جانے سے ہلکا سا خون کا نکلنا، یا جسم پر کہیں کٹ لگنے کی وجہ سے یا چوٹ لگنے کی وجہ سے ہلکا سا خون نکلنا اس طرح خون ٹیسٹ کروانے کے لیے معمولی سا خون نکالنا وغیرہ وغیرہ۔ اس صورت میں روزہ باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ: مذکورہ تمام صورتوں میں "روزہ فاسد" ہونے کی شروط

اگر کوئی روزہ توڑنے والے امور میں سے کسی کا ارتکاب کرلے تو اس کا روزہ اس وقت تک نہیں ٹوٹے گا جب تک کہ اس میں یہ ۳ شروط نہ ہوں اور وہ شروط مندرجہ ذیل ہیں:

روزے توڑنے والے امور کا ارتکاب جان بوجھ کر/ اختیاری طور پر/ اور یاد رکھتے ہوئے کرے۔

اگر اس نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا، یا غلطی سے کوئی چیز اس کے منہ میں چلی گئی جیسے گرد وغبار، دھواں، کوئی کیڑا وغیرہ، یا اس نے کلی کی اور پانی غلطی سے بغیرِ اختیار کے اندر چلا گیا وغیرہ وغیرہ تو اس کا روزہ باقی اور صحیح ہے۔

اسی طرح اسے کچھ کھانے یا پینے پر مجبور نہ کیا گیا ہو اور اگر اکراہ کے طور پر اس نے ایسا کیا تو اس کا روزہ صحیح ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اکراہ کے طور پر کفر کو اللہ معاف فرما سکتا ہے جیسا کہ (سورۃ النحل: ١٠٦) میں ہے تو کفر کے علاوہ میں تو بالاولی معافی ہوگی۔

اسی طرح فرمان رسول بھی ہے کہ اللہ نے میری امت کی غلطی، بھول اور اکراہ میں کیے جانے والے عمل کو معاف کردیا ہے۔[1]

تیسری شرط یہ ہے کہ اس نے بھول کر نہ کیا ہو بلکہ یاد رکھتے ہوئے کیا ہو۔ وگرنہ اس کا روزہ صحیح ہے۔ جیسا کہ پیچھے حدیث میں گزرا کہ نسیان بھی معاف ہے۔

دیگر وہ امور جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

وہ مندرجہ ذیل ہیں:

احتلام ہو جانا، غسل کرنا، حلق میں مکھی یا مچھر کا چلے جانا، حلق میں گرد وغبار یا دھواں چلے جانا، بھانپ کا حلق میں غلطی سے چلے جانا، ضرورت پڑنے پر ہنڈیاں میں نمک وغیرہ کا چکھنا (اور اسے

---

[1]) أخرجه ابن ماجه في الطلاق/ باب طلاق المكره والناسي (2043) (2045) و صححه ابن حبان (7219) و الحاكم (198/2) على شرط الشيخين ووافقه الذهبي.

اندر نہیں نگلے) اسی طرح ماں کا اپنے نومولود بچے کو کوئی چیز چبا کر نرم کر کے دینا، غلطی سے کلی کرتے ہوئے یا حلق یا ناک میں پانی ڈالتے ہوئے دماغ تک پہنچ جانا، یا غرارے کرتے ہوئے حلق میں پانی چلے جانا، تھوک کا نگل لینا۔

اور جہاں تک دانت صاف کرنے کے لیے ٹوتھ پیسٹ یا معجون، منجن وغیرہ کے استعمال کا تعلق ہے تو اہلِ علم میں کچھ نے اس کی اجازت دی ہے اور کچھ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ پیسٹ کا حلق میں جانے کا خدشہ رہتا ہے۔ بلکہ اسے چاہیے کہ وہ مسواک کا استعمال کرے جو کہ مسنون بھی ہے۔ ہاں وہ خالی ٹوتھ برش استعمال کر سکتا ہے۔

روزہ کے دروان بوس و کنار کرنا (چومنا) :

اسکی ۳ صورتیں ہیں:

۱۔ بوس و کنار سے شہوت نہ ابھرتی ہو: جیسے: چھوٹے بچوں کو چومنا، یا کسی مسافر کی واپسی پر اسے چومنا وغیرہ، اس سے روزہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۲۔ بوس و کنار سے شہوت ابھرتی ہو لیکن خروجِ منی کے ذریعہ روزہ کے فاسد ہونے کا ڈر نہ ہو: ایسی صورت میں بوس و کنار جائز ہے مگر احتیاط بہتر ہے۔

۳۔ بوس و کنار سے شہوت ابھرتی ہو اور خروجِ منی یا جماع میں واقع ہو جانے کا خدشہ ہو: ایسی صورت میں بوس و کنار بھی حرام ہے۔

اسکے علاوہ گلے ملنا، جسم سے جسم ملانا، چمٹنا، چھونا اور دیکھنا وغیرہ ان سب کا حکم بھی بوس و کنار کی مذکورہ تفصیل کے مطابق ہے۔

وہ امور جن سے روزہ کی قضاء و کفارہ مغلّظہ دونوں لازم آتے ہیں:

جمہور اہل علم کے نزدیک وہ صرف جماع (ہمستری) ہی ہے۔

اگر کوئی حالت روزے میں جماع کر لے تو اسپر قضاء اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں اور اس بات پر اجماع ہے۔ اور حالت روزہ میں جماع (ہمبستری) کرنا یہ روزہ توڑنے والی چیزوں میں سب سے

زیادہ خطرناک اور حرمت کے لحاظ سے سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس لیے جو اس کا ارتکاب کرے گا اسے اس روزہ کی قضاء کے ساتھ کفارہ مغلظہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔

بشرطیکہ اسمیں 3 شروط پائی جائیں:

اسپر روزہ فرض ہو، یعنی وہ نابالغ یا پاگل وغیرہ نہ ہو۔

روزہ کو ساقط کرنے والی کوئی وجہ نہ ہو جیسے مسافر ایسا کرے یا وہ مریض جسکے لیے روزہ چھوڑنا جائز ہو لیکن وہ روزہ رکھلے اور پھر جماع کا مرتکب ہو جائے یا کوئی غیر رمضان میں رمضان کے روزہ کی قضاء کرتے ہوئے ایسا کرے تو ان سب پر قضاء ہے کفّارہ نہیں۔

فرج یا دبر میں دخول ہو، انزال ہو یا نہ ہو تو روزہ باطل اور قضاء و کفارہ مغلظہ لازم ہو جائگا۔

کفارہ مغلظہ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

یا تو گردن آزاد کرے (جو کہ آج کے دور میں ممکن نہیں ہے) اگر وہ نہیں پائے تو دو مہینے کے لگاتار ،پے درپے ، بغیر گیپ کے روزے رکھے ،اور اگر اسکی بھی طاقت نہ ہو تو ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ (اور اگر اس کی بھی طاقت و قدرت نہ ہو تو توبہ واستغفار کرے اور دوبارہ ہرگز ایسا نہ کرے)۔

مسئلہ: اگر کسی نے جماع شروع کیا اور فجر طلوع ہوگئی تو پتہ چلتے ہی وہ بیوی سے الگ ہو گیا تو اسکا روزہ صحیح ہے خواہ بیوی سے الگ ہونے کے بعد منی ہی کیوں نہ خارج ہو جائے۔

لیکن اگر وہ پتہ چلنے کے بعد بھی بیوی سے الگ نہ ہوا تو اسکا یہ عمل عمداً جماع شمار ہوگا جس پر اسکا روزہ باطل ہو جائگا اور اسپر توبہ ،اس روزہ کی قضاء اور کفارہ مغلّظہ واجب ہو جائگا۔[1]

[1] أخرجه البخاري في الصوم/ باب إذا جامع في رمضان ولم يكن له شيء فتصدق عليه فليكفر (1936)؛ و[illegible] الصيام/ باب تحريم الجماع في شهر رمضان... (1111)

سودی نظام اور اسلامی بینک کاری کا علمی جائزہ

(ڈاکٹر عبدالرشید اظہر حفظہ اللہ)

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ . . . أما بعد!

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے جو دین نازل فرمایا وہ اسلام ہے، اور اسلام ایک مکمل نظام زندگی اور ضابطۂ حیات ہے۔ قرآن کریم جس کی تلاوت کو اللہ نے عبادت قرار دیا اور اس کی اتباع کا حکم دیا، اور اس کے احکام پر عمل کو ہم پر فرض اور لازم کیا، اس میں تقریباً پانچ سو کے قریب آیاتِ احکام ہیں، جن میں اصولِ تشریع اور قواعد کلیہ بیان ہوئے۔ عقیدے، اخلاق اور اعمال کے بارے میں تفصیلات ذکر ہوئیں۔ اہلِ علم و تحقیق نے ان آیات کی الگ اور مستقل تفسیریں بھی لکھیں، جنہیں "تفسیر آیات الأحکام" کا نام دیا گیا۔

ان آیات میں عبادات کے احکام ہیں۔ معاملات کا بیان ہے۔ اور معاملات کی پھر متعدد قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ اور انہی اقسام میں سے ایک قسم اقتصادی نظام کی بھی ہے، جو شریعت اسلامیہ کا لازمی حصہ ہے۔

نظامِ اقتصاد کو اہلِ علم نے پھر دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(أ) ایسے اقتصادی اور مالی امور و معاملات جن پر اس نظام کا نظم ونسق قائم ہے۔ کسب واکتساب کے اصول، کیا کمانا، کیسے کمانا اور کن اصول وضوابط کو ملحوظ رکھ کر کمانا ہے۔ ایسے ہی خرچ کرنے کے اصول و قواعد اور طریقے، یعنی انسان مال کمانے اور خرچ کرنے میں ہدایاتِ ربانی کا پابند ہے۔ اور قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس بارے میں بہترین اور جامع راہنمائی فرمائی ہے۔ فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ إِذَآ أَنفَقُوا۟ لَمْ يُسْرِفُوا۟ وَلَمْ يَقْتُرُوا۟ وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴾

"اور وہ لوگ (عباد الرحمان) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول اڑاتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ اس کے درمیان رہتے ہیں۔"

حضرت شعیب علیہ السلام پر ان کی قوم نے اسی ربانی ہدایت اور جامع نظام کی وجہ سے اعتراض

کیا تھا جسے قرآن نے یوں بیان کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ قَالُوا يَٰشُعَيْبُ أَصَلَوٰتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَآ أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِىٓ أَمْوَٰلِنَا مَا نَشَٰٓؤُا۟ ﴾ (هود:۸۷)

''انہوں نے کہا! اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے ہیں ہم انہیں چھوڑ دیں، یا اپنے مالوں میں اپنی منشا کا جو تصرف کرتے ہیں وہ بھی چھوڑ دیں''۔

احکامِ الٰہی کی اس قسم کے متعلق قرآن کریم میں تقریباً دس آیات ہیں۔

(ب) مالی امور و معاملات کے بارے میں معاشرتی احکام، جن کا تعلق باہم لین دین اور افرادِ معاشرہ کے درمیان آپس میں دولت کی گردش کے اصول و قواعد کے ساتھ ہے، جس میں بیع و تجارت، شراکت، اجارہ، رہن، کفالت، قرض اور مرابحہ وغیرہ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ فرمایا:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾ ﴾

(البقرة:۱۸۸)

''اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ، اور اس کو (رشوت بنا کر) حاکموں کے پاس نہ پہنچاؤ، تاکہ اس طرح لوگوں کے مال کا ایک حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور تم علم بھی رکھتے ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ﴾ (النساء:۲۹)

''اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر صرف اس صورت میں کہ باہم رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو۔''

اس موضوع کی تفصیلات تقریباً ستر آیات میں بیان ہوئی ہیں۔

الغرض شریعتِ اسلامیہ نے مالی امور سمیت ہر شعبۂ زندگی کیلئے جامع احکام دیئے ہیں، جنکی تفصیلات کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ میں وضاحت سے بیان کر دی گئی ہیں۔

مال کی اہمیت اور اس کی تقسیم :

مالی امور و معاملات پر انسان کی زندگی اور ان کے پر امن بقائِ باہمی کا بڑا انحصار ہے، اللہ تعالیٰ نے مال کو "قیام" یعنی زندگی کا سہارا اور اسے بہتر طریقے سے گذارنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا ﴾ (النساء:۵)

"بے عقل لوگوں کو ان کا مال، جسے اللہ نے تم لوگوں کیلئے سبب معیشت بنایا ہے نہ دو۔"

مال کی اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم کا ذمہ خود لیا، اور انسانوں کے درمیان "معیشت" خود تقسیم کی اور لوگوں کی اس پر عارضی ملکیت کا تعین بھی خود کیا، اور ایک خاص مقصد اور فائدے کیلئے اس میں اختلاف وتفاوت قائم رکھا، ہر شخص کو اس کے مزاج اور ضرورت کے مطابق عطا کر کے معاشرے کی تشکیل اور اس کے مالی نظام کا اہتمام کیا، اس طرح انسانوں کو باہم ایک دوسرے کی خدمت پر لگا دیا۔ فرمایا:

﴿ أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (٣٢) ﴾

"کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں، ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا ہے اور ان کے ایک دوسرے پر درجے بلند کر دیئے، تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لے سکیں، اور جو کچھ یہ لوگ جمع کرتے ہیں تیرے رب کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے"۔

اللہ نے اپنے فضلِ خاص سے انسان کو حقِ ملکیت عطا کیا اور اس میں تصرف کا اختیار دیا، اسے ناجائز استعمال کرنے اور اور بے جا ضائع کرنے سے منع کیا۔ فرمایا:

﴿ وَإِن تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوسُ أَمۡوَٰلِكُمۡ لَا تَظۡلِمُونَ وَلَا تُظۡلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ ﴾ (البقرۃ:۲۷۹)

"اور اگر توبہ کر لو گے، تو تمہارے اصل اموال تمہارے لیئے ہیں، نہ ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔"

﴿ وَكُلُواْ وَٱشۡرَبُواْ وَلَا تُسۡرِفُوٓاْۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلۡمُسۡرِفِينَ ﴿٣١﴾ ﴾ (الأعراف:۳۱)

"اور کھاؤ اور پیو اور بے جا ضائع نہ کرو، بے شک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

انسان کا رشتۂ حیات منقطع ہوتا ہے، تو اس کی یہ اللہ کی طرف سے عطا کی ہوئی عارضی ملکیت بھی عارضی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس مال کی از سر نو "تقسیم وراثت" کے ذریعے نئی ملکیت کا تعین فرما دیتے ہیں، اور اس تقسیم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حدیں قرار دیکر اس کی اہمیت بیان فرمائی، اور ان حدوں کو توڑ کر غلط تقسیم کرنے اور کمزوروں کو طاقت کے بل بوتے پر دبانے کی مذمت کی اور اس پر اپنے عذاب کی سخت وعید سنائی۔ فرمایا:

﴿ تِلۡكَ حُدُودُ ٱللَّهِۚ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدۡخِلۡهُ جَنَّـٰتٍ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَاۚ وَذَٰلِكَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعۡصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَـٰلِدًا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾ ﴾ (النساء:۱۳-۱۴)

"یہ (وراثت کے احکام) اللہ کی حدیں ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرے گا، اللہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہ بڑی کامیابی ہے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے گا، اس کو اللہ آگ میں داخل کرے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کیلیے رسوا کرنے والا عذاب ہو گا۔"

سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں بھی مالی امور و معاملات کے اصول و قواعد کے سلسلے میں بڑا

مواد موجود ہے۔ متعدد نصوص براہ راست اصول متعین کرتی ہیں اور فقہاء و مجتہدین نے نصوص سے استنباط کر کے بھی بڑا معقول مواد معاشرے کی راہنمائی کیلئے فراہم کیا ہے۔

اقتصادیات کے چند اصول و قواعد:

یہی اصول اور قواعدِ عامہ اقتصادی مسائل کیلئے اساس و بنیاد ہیں، اور احکام کی ترتیب اور مالی معاملات کی تفہیم کیلئے سہولت فراہم کرتے ہیں۔ نئے پیش آنے والے امور کا انہی کی روشنی میں کتاب و سنت کے مطابق جائزہ لیا جاتا ہے اور جائز اور ناجائز کا تعین کیا جاتا ہے۔ باقی شریعت کی طرح یہ نصوصِ کتاب و سنت اور ان کی تفہیم و تسہیل کیلئے مرتب کردہ یہ اصول و قواعد امت کی راہنمائی کیلئے ابدی و دائمی حیثیت کے حامل ہیں، معاشرے کے تمام معاشی مسائل کا حل ان میں موجود ہے۔ مثلاً:

''اِنَّمَا الْبَیْعُ عَنْ تَرَاضٍ'' (1)

''تجارت دو طرفہ رضامندی سے ہے۔''

(وَالْمُسْلِمُوْنَ عَلَى شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا) (2)

''مسلمان اپنی طے شدہ شرطوں کے پابند ہیں ماسوا ایسی شرط کے جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے۔''

(لَاضَمَانَ عَلَى مُؤْتَمَنٍ) (3)

''جس کے پاس امانت رکھی جائے (ضائع ہونے کی صورت میں) وہ اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔''

(لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ) (4)

''وارث کیلئے وصیت نہیں ہے۔''

---

(1) سنن ابن ماجہ (باب بیع الخیار، حدیث: ۲۱۷۶)
(2) سنن الترمذی، باب ماذکر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلح بین الناس، رقم الحدیث: ۱۲۷۲)
(3) سنن الدار قطنی (حدیث: ۳۰۰۱)
(4) سنن ابن ماجہ (باب لا وصیۃ لوارث، حدیث: ۲۷۰۵)

(لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِیبِ نَفْسٍ مِنْهُ)[1]

''مسلمان آدمی کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں ہے۔''

(نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ)[2]

''نبی ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا۔'' وغیرہ وغیرہ۔

اطاعت وفرمانبرداری کے اعتبار سے سنتِ نبویہ میں وارد اصول واحکام کی بھی وہی حیثیت ہے جو کتاب اللہ میں وارد اصول واحکام کی ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ﴾ (الحشر:۷)

''رسول اللہ ﷺ جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کر دیں اس سے باز رہو۔''

قرآن کریم کے علاوہ جو احکام نبی علیہ السلام دیتے تھے، وہ نبی اکرم ﷺ پر اللہ کی طرف سے وحی تھی یا بعض اہلِ علم کے خیال کے مطابق ان میں سے کچھ آپ ﷺ کے اجتہادات تھے، جنہیں بعد میں وحی کے ذریعے برقرار رکھا گیا، جو قرآن کی تفسیر وتاکید کے علاوہ مستقل بالذات احکام بھی ہیں۔ ہر صورت میں وہ شریعت کا جزوِ لازم ہیں جنہیں نظرانداز کرنے کی شرعاً قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

سودی نظام کی تباہ کاریاں:

سودی نظام زمانۂ جاہلیت سے آج تک ماہرینِ اقتصادیات اور معاشرے کیلئے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ سود خوروں بالخصوص یہودی اور ان کے ہمنوا ماہرین نے اس کی اشکال تبدیل کر کے اور مختلف نام رکھ کر اسے خوش نما اور قابلِ قبول بنانے کی ہمیشہ کوششیں کی ہیں جو آج بھی جاری ہیں۔

باوجود اس کے کہ قرض در قرض اور سود در سود کے اس لامتناہی سلسلے نے معاشرے میں بے سکونی، بے چینی، باہم بغض وعداوت کو جنم دیا ہے۔ بالخصوص مغربی ممالک کیطرف سے دیئے گئے

---

[1] مسند احمد (حدیث: ۱۹۷۷٤)

[2] صحیح مسلم (باب بطلان بیع الحصاۃ والبیع الذی فیہ غرر، حدیث: ۲۷۸۳)

سودی قرضوں نے مشرقی اور اسلامی ممالک کی معیشت کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا ہے، حتی کہ آج وہ اپنی بقاء کیلئے فکر مند ہیں، مگر پھر بھی اس بد ترین نظام کی تائید وحمایت کا سلسلہ جاری ہے۔

سودی نظام کی انہی تباہ کاریوں کی وجہ سے تمام آسمانی شریعتوں میں اسے حرام قرار دیا گیا اور عصر جدید میں اشتراکی نظام اور سوشلزم کے علمبرداروں نے بھی اس کے نقصانات کے پیش نظر اس کی تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔

یہ ایسا بد ترین اور انسان دشمن نظام ہے جس سے فائدہ اٹھا کر چند افراد نے پوری دنیا کی اقوام کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے، اور پس ماندہ اور مقروض ممالک میں قتل وغارت گری اور تذلیل وتحقیر کا سلسلہ جاری ہے، مگر وہ مجبور ہیں اور آواز بلند کرنے کی سکت بھی نہیں رکھتے اور ذلت واہانت سے نکلنے کی راہ کہیں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ فلاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اگر ہم نصوصِ کتاب وسنت اور احکامِ شریعت پر ایک نظر اور ڈالیں، اور توجہ سے انکا مطالعہ کریں تو ہمیں اس بد ترین نظام کی ہلاکت خیزیاں سمجھنے میں وقت پیش نہیں آئیگی، اور ہم علی وجہ البصیرۃ ادراک کر سکتے ہیں کہ اسے حرام ٹھہرانے میں کس قدر حکمت ومصلحت ہے اور اسے حرام قرار دینے میں معاشرے کا کس قدر بھلا ہے اور اس کا متبادل نظامِ بیع وتجارت اپنے اندر کتنی خیرات وبرکات سمیٹے ہوئے ہے اور انسانوں میں باہم معروف واحسان اور محبت والفت اور قربت کے جذبات کا باعث بنتا ہے۔ دوسری طرف صالح انقلاب اور ثقافتی ترقی اور معاشرتی تعمیر میں کس قدر بہترین کردار ادا کرتا ہے۔

سودی نظام کا مطالعہ قرآن کریم کی روشنی میں:

حرمتِ سود کے احکام پر مشتمل آیات قرآنِ کریم میں چار مقامات میں آئی ہیں۔

ایک مقام سورۃ الروم میں ہے، یہ سورت مکی ہے، اور باقی تین مقامات سورۃ النسآء، سورۃ آل عمران اور سورۃ البقرۃ میں ہیں، اور یہ تینوں سورتیں مدنی ہیں۔

سورۃ الروم میں انسانوں کے باہم مالی تعاون وتعامل کے دو طریقے ذکر کئے اور ایک خوبصورت اور جامع وکامل تقابل پیش فرمایا۔

1- ایک سودی لین دین اور ربوی تعامل۔ جو بظاہر اصحاب الأموال کیلئے مفید اور مال میں بلا مشقت و محنت بڑھوتی اور اضافہ کا ذریعہ نظر آتا ہے۔

مگر حقیقتاً اور فی الواقع وہ مال کی ہلاکت و بربادی اور دنیا و عقبیٰ کے خسارے کا باعث ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ، حرام اور اس کے غیض و غضب کا موجب ہے۔

2- دوسرا صدقہ وزکوۃ کے ذریعے گردشِ دولت کا ذریعہ ہے۔ جس کا مقصد اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا اور اس کے بندوں پر احسان کرنا اور ان کی مالی مشکلات مین ان کے کام آنا ہوتا ہے۔

یہ حقیقتاً صاحبِ مال کے مال میں اضافہ کا ذریعہ بنتا ہے، اور اس میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے اور اس اضافہ کی ضمانت بھی خود اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کے معجزانہ کلام قرآنِ کریم کا معجزانہ بیان ہے جس پر یقین کیلئے اخلاص وایمان اور اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد اور توکل کی ضرورت ہے۔ مادی نقطۂ نظر سے یہ بات ناقابل یقین نظر آتی ہے کہ جو مال اضافے کے ساتھ واپسی کی شرط پر دیا جائے وہ ہلاکت و بربادی کا ذریعہ ہو اور جو ناقابل واپسی بلامعاوضہ دیا جائے وہ رأس المال میں اضافہ کا سبب بنے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَآ ءَاتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىٓ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ فَلَا يَرْبُوا۟ عِندَ ٱللَّهِ ۖ وَمَآ ءَاتَيْتُم مِّن زَكَوٰةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ ٱللَّهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُضْعِفُونَ ﴿٣٩﴾ ﴾

(الروم: ۳۹)

"اور تم جو سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں اس سے بڑھوتی ہو، تو اللہ کے ہاں اس میں اضافہ نہیں ہوتا اور جو تم زکوۃ دیتے ہو اور اس سے اللہ کی خوشنودی طلب کرتے ہو، سو یہ لوگ صرف یہی اپنے مالوں کو بڑھا کر کئی گنا کرنے والے ہیں۔"

اسی مفہوم اور معجزانہ خبر کا سورۃ البقرۃ میں بھی ضمناً ذکر ہوا ہے۔ فرمایا:

﴿ يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَيُرْبِى ٱلصَّدَقَٰتِ ﴾ (البقرۃ: ۲۷۶)

"اللہ سود کو مٹاتا اور صدقوں کو بڑھاتا ہے۔"

سورۃ الروم میں مذکورہ بالا آیات سے قبل تمہید باندھی اور بتایا کہ دنیا میں مالی تفاوت اور فقیر

وامیر کا فرق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔رزق میں تنگی اور فراخی کا انتظام اس نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے، جس سے اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے، کسی کے صبر ورضا کی اور کسی کے توکل اور انفاق کی، اور یہ تفاوت واختلاف اہلِ ایمان کیلئے اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، ان نشانیوں کو سمجھ کر ان سے نقصان کی بجائے فائدہ اٹھانا چاہیے، اور اس سے طبقاتی کشمش نہیں پیدا ہونی چاہیے بلکہ نیکی اور احسان کے ساتھ تعاون کی راہیں کھلنی چاہئیں اور باہم اخوت ومحبت پیدا ہونی چاہیئے۔اس کا راستہ سودی نظام نہیں ہے بلکہ اہلِ قرابت کو ان کے حقوق ادا کرکے اور فقراء ومساکین اور مسافروں پر احسان کرکے اور بلا معاوضہ خرچ کرکے تعاون اور تعلق کی راہیں ہموار کی جاسکتی ہیں۔فرمایا:

﴿ فَـَٔاتِ ذَا ٱلْقُرْبَىٰ حَقَّهُۥ وَٱلْمِسْكِينَ وَٱبْنَ ٱلسَّبِيلِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ ٱللَّهِ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٣٨﴾ ﴾ (الروم:۳۸)

''کیا انہوں نے دیکھا نہیں ہے کہ اللہ ہی جس کیلئے چاہتا ہے روزی میں فراوانی دیتا ہے اور (جس کیلئے چاہتا ہے) تنگ کردیتا ہے، بے شک اس میں اس قوم کیلئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں، سو قرابت داروں کو ان کا حق دیا کرو اور اور مسکین اور مسافر کو بھی، یہ ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اور یہ لوگ صرف یہی فلاح پانے والے ہیں۔''

اس مقام پر سود کے نقصانات اور صدقہ وزکوۃ کے فائدے ذکر کردیئے، ترھیب وترغیب کا اسلوب اختیار فرمایا اور واضح الفاظ میں سود کی حرمت کا ذکر نہیں کیا۔

اور باقی تین مقامات یعنی سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمران اور سورۃ النسآء جو مدنی ہیں ان میں دوٹوک الفاظ میں سود کی ہر شکل کو حرام قرار دیا اور اس کے لین دین پر سخت وعید اور عذاب کا ذکر کیا، اور اس نظام پر عمل کو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ سے تعبیر کیا۔اعاذنا اللہ منہ۔

سورۃ النسآء میں یہودیوں کا احوال ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ان پر ان کی شریعت میں سود حرام کیا گیا تھا مگر وہ حسب عادت وہی کام کرتے تھے جس سے ان کو منع کیا جاتا تھا، تو انہوں نے سودی کاروبار کو روا رکھا تو اپنے کیئے کی سزا پائی۔فرمایا:

﴿ وَأَخْذِهِمُ ٱلرِّبَوٰاْ وَقَدْ نُهُواْ عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦١﴾ ﴾ (النساء:۱۶۱)

''تو جو لوگ یہودی ہوئے ان کی طرف سے ظلم کے سبب سے ہم نے ان پر بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کیلئے حلال کی گئی تھیں ان پر حرام کر دیں، اور اس وجہ سے بھی کہ اللہ کی راہ سے روکتے تھے، اور ان کے سود لینے کی وجہ سے بھی حالانکہ ان کو اس سے روکا گیا تھا اور لوگوں کے مال باطل طریقے سے کھانے کی وجہ سے بھی، اور ان میں سے کافروں کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں بھی سودی لین دین ایک پختہ نظام اور اس پر عمل ان کی عادت بن چکا تھا، اس لئے یہودیوں کے بارے میں عذاب اور وعید کا ذکر کرنے کے بعد دوسرے مقام پر سورۃ آل عمران میں شریعت اسلامیہ کا موقف واضح اور دوٹوک الفاظ میں ذکر فرمایا اور سود کی حرمت کا اعلان فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَأْكُلُواْ ٱلرِّبَوٰٓاْ أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً ۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ وَٱتَّقُواْ ٱلنَّارَ ٱلَّتِىٓ أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ ﴿١٣١﴾ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾ ﴾

(آل عمران:۱۳۰—۱۳۲)

''اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود مت کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ، اور آگ سے بچو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔''

اس ترغیب و ترہیب اور تمہیدی بیان اور شرعی حکم کے بعد سورۃ البقرۃ میں سود خوروں کے دنیوی و اخروی انجام، ان کی حالت اور اس کے بھیانک نتائج کا ذکر فرمایا، اور اس نظام کے علمبرداروں کے دلائل کا جواب دیا۔ فرمایا:

﴿ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰاْ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ

ٱلشَّيۡطَٰنُ مِنَ ٱلۡمَسِّۚ .... ﴾ (البقرۃ:۲۷۵۔۲۸۱)

’’جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہونگے مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے چھو کر بد حواس بنا دیا ہو، یہ اس لیئے کہ انہوں نے کہا کہ بیع بھی سود کی طرح ہی ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے، تو جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آگئی اور وہ رک گیا تو جو پہلے گذر چکا وہ اس کیلیئے ہے، اور اس کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے، اور جو دوبارہ (سود کی طرف) لوٹے گا تو وہ لوگ جہنمی ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہنے والے ہونگے۔‘‘

اللہ سود کو مٹاتا اور صدقوں کو بڑھاتا ہے، اور اللہ ہر سخت ناشکر گزار، گنہگار کو ناپسند کرتا ہے۔

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے صالح عمل کیئے اور نماز قائم کی، اور زکوۃ ادا کی، ان کا اجر ان کیلیئے ان کے رب کے پاس ہے، اور ان پر کوئی خوف نہ ہو گا اور نہ وہ غمگیں ہونگے۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مؤمن ہو۔

پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ سن لو اور اگر تم نے توبہ کر لی تو تمہارے اصل مال تمہارے لیئے ہیں، نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

اور کوئی شخص تنگ دست ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینا ہے، اور صدقہ کر دینا تمہارے حق میں بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔

اور اس دن سے ڈر جاؤ جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا ہے پورا دیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

قرآن حکیم کے اس واضح اور تفصیلی بیان کے بعد کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ سود کی ہر نوع اور ہر شکل مکمل طور پر حرام ہے۔ وہ ذاتی ضروریات کیلیئے ہو، یا کاروباری ضروریات کیلیئے، کم ہو یا زیادہ، عصر جدید کا سود ہو یا زمانۂ جاہلیت کا کئی گنا، جاہلیت کے کئی گنا سود کا واقعاتی حوالے سے ذکر ہوا ہے ورنہ اس کی ہر شکل حرام ہے۔ ویسے بھی عدم ادائیگی کی صورت میں سود در سود خود بخود کئی گنا ہو جاتا ہے جیسے وطن عزیز کے بیرونی سودی قرضوں کی مثال سامنے ہے۔

ان آیات میں مذکورہ احکام کی مزید وضاحت اور تاکید کیلیئے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کافی ہے،

آپ ﷺ نے فرمایا:

(وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ)(1)

"اور جاہلیت کے زمانہ کا سود چھوڑ دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں جو اپنا سود چھوڑتا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے، وہ سارا چھوڑ دیا گیا۔"

قرآنی ہدایات کا خلاصہ:

مذکورہ آیات میں قرآن کریم نے نظامِ معیشت کے بارے میں جو علمی وفکری اور عملی راہنمائی کی ہے، اسے درج ذیل چند نکات میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ قرآن کی عطا کردہ عمومی ہدایت اور فکر ہے۔

(1) اقتصادی نظام اور معاشی معاملات میں بھی دیگر نظامِ زندگی کی طرح ظلم وجور وستم اور سنگ دلی کا عنصر معاشرے میں نہیں ہونا چاہیے۔﴿لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾

(2) بغیر محنت حصولِ مال کی کوشش ناپسندیدہ ہے، انسان کو وہی ملنا چاہیے جس کیلئے اس نے محنت کی ہے۔ مزید کی خواہش ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرے، اپنے بھائی کا مال بٹورنے کی کوشش نہ کرے:

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾

(3) مالی امور اور معاملات میں اُحکام شریعت کی پابندی کے ساتھ باہمی رضامندی بھی ہونی چاہیے، کسی کی مجبوری سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش ناپسندیدہ ہے:

---

(1) صحیح مسلم (باب حجۃ النبی ﷺ، حدیث: ۲۱۳۷)

﴿ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ﴾ (النساء:۲۹)

(4) ''ربا'' کی حرمت کی اصل علت "زیادتی" ہے۔ اسی لئے اسے رباسے تعبیر کیا گیا ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں اسے "فضل" بھی کہا جاتا ہے:

﴿ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟ أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً ﴾ (آل عمران:۱۳۰)

(5) اسلام نے مالی امور میں فرد اور معاشرے دونوں کے مفادات و مصالح کا تحفظ کیا ہے، البتہ اجتماعی مفاد اور ترقی کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ ارتکاز زر میں کسی کا مفاد نہیں ہے صرف اصحاب الأموال کیلئے بے مقصد تسکین کا سامان ہے، اس لیئے مفید گردشِ دولت کو اہمیت دی گئی ہے۔ ﴿ كَىْ لَا يَكُونَ دُولَةًۢ بَيْنَ ٱلْأَغْنِيَآءِ مِنكُمْ ﴾ (الحشر:۷)

(6) گردشِ دولت کا سب سے بہترین طریقہ قرضِ حسنہ اور صدقات وزکوۃ ہیں، اسے اللہ تعالیٰ پسند کرتے اور بڑھاتے ہیں۔ اور سب سے بد ترین طریقہ سودی نظام ہے جسے اللہ ناپسند کرتے اور مٹاتے ہیں۔ ﴿ يَمْحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَيُرْبِى ٱلصَّدَقَٰتِ ﴾ البقرۃ: ۲۷٦

(7) سود حقیقتاً ارتکاز زر کا طریقہ ہے بظاہر خواہ اس میں گردشِ دولت ہی نظر آتی ہو، اسے ماہرین اقتصادیات بھی معیشت کیلئے گھن ہی قرار دیتے ہیں۔

(8) اسلام کے نظامِ معیشت کا امتیاز یہ ہے کہ اس کی بنیادیں، احسان، عفو و در گزر اور معروف پر رکھی گئی ہیں، جس سے معاشرے میں محبت والفت کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔ اس کے برعکس سودی نظام سے بغض وعداوت کے احساسات پیدا ہوتے ہیں اور معاشرہ بے سکونی کا شکار ہو جاتا ہے:

﴿ وَأَحْسِن كَمَآ أَحْسَنَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ ﴾ (القصص:۷۷)

(9) مقروض تنگ دست اور نادار ہو تو اسے سارا قرض یا کچھ حصہ معاف کر دینے یا کم از کم مہلت دینے کا حکم ہے، اور یہ سب کچھ لوجہ اللہ ہونا چاہیے، نہ یہ کہ اسے دیگئ مہلت کے عوض قرض میں اضافہ کر کے مزید زیر بار کر دیا جائے، یہ اضافہ بد ترین سود اور خود غرضی ہے، جس پر اللہ کی سخت ترین ناراضگی کی وعید ہے:

﴿ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾
(البقرۃ:۲۸۰)

(10) مدت تک سود خوری میں ملوث ہونے کے باوجود توبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے اور سود خور کے رأس المال کی ملکیت بھی قائم رہتی ہے، توبہ کرنے پر شریعت اسے تہی دست نہیں کردیتی:

﴿ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ﴾ (البقرۃ:۲۷۹

(11) سود کی لعنت کا علم ہونے اور اس پر اللہ کیطرف سے وعید شدید کا پتہ چل جانے کے باوجود اسے نہ چھوڑنا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کا چیلنج قبول کرنے کے مترادف ہے۔﴿ فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ﴾ (البقرۃ:۲۷۹)

(12) سب سے اہم بات یہ ہے کہ باقی نظام زندگی کی طرح مالی امور میں بھی اخروی جواب دہی کا احساس ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا ہے۔ دنیا کو عقبیٰ سے الگ کر کے کبھی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچا جاسکتا:

﴿ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ﴾ (البقرۃ:۱۱۰)

مزید غور کرنے سے اس وحی الٰہی میں اور بہت سی ہدایاتِ ربانی مل سکتی ہیں جن کی روشنی میں انسان اپنی دنیا و عقبیٰ کی اصلاح کی فکر کر سکتا ہے۔

﴿ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾ ﴾ (البقرۃ:۲۸۱)

"اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کے حضور میں لوٹ کر جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔"

ربا کے بارے میں نبوی ہدایات و تعلیمات:

کتاب اللہ کی یہ آیات جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، سود کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر واضح کرتی ہیں۔ اس پر مستزاد سنت نبویہ کی وہ نصوص اور نبی ﷺ کی وہ تشریحات ہیں، جو مسئلہ کے ہر پہلو

پر روشنی ڈالتی ہیں اور زمانۂ جاہلیت سے جاری اس بدترین سودی نظام کی بیخ کنی کیلئے بہترین علمی وفکری مواد فراہم کرتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے انہی فرامین اور آپ ﷺ کے عملی رویئے کا ہی نتیجہ تھا کہ عہدِ نبوی اور عصرِ خلافت میں مسلمان سود کی بو سے بھی شدید نفرت کرنے لگ گئے تھے۔ اسی کی برکت تھی کہ مسلمان معاشرے کا مالی نظام اس قدر مستحکم ہوگیا تھا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں یہ اعلان فرمادیا تھا کہ:

(مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيْنَا)[1]

''مرنے والا جو ترکہ چھوڑے گا وہ اس کے وارثوں کیلئے ہے، اور جو شخص قرض چھوڑ کر مرے وہ ہمارے ذمہ ہے۔''

اور پھر اسلامی سلطنت میں یہ منظر بھی چشمِ فلک نے دیکھا کہ زکوٰۃ [illegible]نے والے مال لیکر پھرتے ہیں اور کوئی صدقہ وصول کرنے والا نہیں ملتا۔

مسلم معاشرے میں جب تک یہودی اثر ونفوذ دوبارہ نہیں آیا اس وقت تک مسلمان سود سے ناآشنا رہے اور ان پر اللہ کی طرف سے رحمت کی برکھا برستی رہی۔ یہودی جب دوبارہ بالواسطہ اسلامی دنیا میں گھسے، مسلمانوں کے عقائد پر حملہ کیا، اخلاق میں زوال کا سبب بنے اور ان کے مالی نظام پر قبضہ کیا، اور سود کو پھر سے مسلمانوں میں رواج دیدیا، تب سے مسلم معاشرہ [illegible] اور ان کا مالی نظام متزلزل ہے۔ خصوصاً پسماندہ ممالک مالی غلامی کے شکنجے میں کسے ہوئے آزادی کیلئے [illegible]یاں بھر رہے ہیں، اور نجات کی کوئی راہ نظر نہیں آرہی۔ آج پھر یہودی، بابلی اور یونانی سودی نظام کو اسلامی بنکاری کے نام سے خوشنما کرکے پیش کیا جارہا ہے اور سادہ لوح مسلمان اس دامِ ہم رنگِ زمین کا تیزی سے شکار ہورہے ہیں۔ اور بدقسمتی سے انہیں مسلم معاشرے میں کچھ زمین ہموار کرنے والے ہمنوا اہلِ علم کی تائید وحمایت بھی حاصل ہوگئی ہے۔ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

تو اس مسئلہ کا ایک ہی حل ہے کہ امت کو کتاب وسنت سے دوبارہ روشناس کرایا جائے اور انہیں

---

[1] صحیح البخاری (باب میراث الأسیر، حدیث: ٦٢٦٦)

اسلام کے نظامِ معیشت کی خیرات وبرکات سے آگاہ کیا جائے، سودی نظام کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر عام کیا جائے اور اس کے دنیوی واخروی نقصانات کی وضاحت کی جائے اور :

﴿ يَمۡحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰاْ وَيُرۡبِي ٱلصَّدَقَٰتِۗ ﴾

کا قرانی فلسفہ اور ربانی حکمت لوگوں میں نشر کر کے انہیں اس الٰہی معجزے پر ایمان لانے کی ترغیب دی جائے۔

حرمتِ سود کے بارے میں وعید اور تشدید :

☆ (اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا هُنَّ قَالَ . . . . . . وَأَكْلُ الرِّبَا)[1]

"نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو، آپ ﷺ سے پوچھا گیا وہ سات کام کیا ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ....اور سود کھانا۔"

☆ (عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ)[2]

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی سود کھانے والے پر، اور کھلانے والے پر ، اور اسے لکھنے والے پر، اور اس کے دونوں گواہوں پر اور یہ بھی فرمایا کہ وہ (گناہ میں) برابر ہیں۔"

☆ (عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرِّبَا سَبْعُونَ حُوبًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ)[3]

---

[1](متفق علیہ)

[2] صحیح مسلم (باب لعن آکل الرباء و مؤکلہ، حدیث: ۲۹۹۵)

[3](سنن ابن ماجہ، باب التغلیظ فی الرباء، حدیث: ۲۲٦٥)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ربا (سود) کے ستر گناہ ہیں اور ان میں سے آسان (کم از کم) بھی اس قدر گھناؤنا ہے جس طرح کوئی اپنی ماں سے نکاح کرلے۔''

☆ (عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَنْظَلَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْهَمُ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ زَنْيَةً) (1)

''حضرت عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک درھم سود جسے انسان یہ جانتے ہوئے کہ وہ سود ہے کھاتا ہے تو چھتیس بار بدکاری سے بھی بڑھ کر سخت (گناہ) ہے۔''

☆ (عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عَلَى قَوْمٍ بُطُونُهُمْ كَالْبُيُوتِ فِيهَا الْحَيَّاتُ تُرَى مِنْ خَارِجِ بُطُونِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرَائِيلُ قَالَ هَؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِّبَا) (2)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایک قوم پر سے گذرا جن کے پیٹ گھروں جیسے (بڑے بڑے) تھے، اور ان میں سانپوں کا بسیرا تھا جو باہر سے نظر آتے تھے، میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔''

☆ (عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرِّبَا فَإِنْ لَمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ بُخَارِهِ وَيُرْوَى مِنْ غُبَارِهِ) (3)

---

(1) (مسند أحمد، حدیث: ۲۰۹۵۱)

(2) سنن ابن ماجہ (باب التغليظ في الربا، حدیث: ۲۲٦٤، مسند أحمد، حدیث: ۸۲۸٦ و ۸٤۰۲)

(3) سنن أبي داؤد (باب اجتناب الشبهات، حدیث: ۲۸۹۳)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا، لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کوئی شخص نہیں بچے گا مگر اس نے سود کھایا ہوگا، اگر کسی نے نہیں کھایا ہوگا تو اس کی بھاپ ضرور اس کو پہنچی ہوگی۔“

ایک روایت میں بخار (بھاپ) کی بجائے غبار کے الفاظ ہیں۔

☆ (وعن أنس قال قال رسول اللهﷺ: '' لو أقرض الرجل الرجل فلا يأخذ هديته)(1)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر آدمی کسی کی کو قرض دے تو پھر اس کا ہدیہ قبول نہ کرے۔“

یعنی قرض دینے کی صورت میں رأس المال پر کسی بھی قسم کا فائدہ حاصل کرنا سود شمار ہوتا ہے۔ اسی لیئے سود کی تعریف بھی یہی کی گئی ہے۔

قرآن و سنت کی روشنی میں ربا کا مفہوم :

ربا کے لفظ اور اس کے قرآنی مفہوم سے جو معنی سمجھ میں آتے ہیں احادیث و آثار اور اجماعِ امت سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے، وہ درج ذیل ہیں:

1- رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا تھا:

(أَلَا وَإِنَّ كل رِبًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ لَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ غَيْرَ رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ)(2)

”لوگو! خبردار ہر وہ ربا (سود) جو جاہلیت میں لوگوں کے ذمہ تھا تم پر سے پورے کا

---

(1)(التاریخ للبخاری)

(2)سنن الترمذی (باب و من سورۃ التوبہ، حدیث: ۳۰۱۲)

پورا ختم کر دیا گیا ہے، تمہارے لیئے صرف قرض کی اصل رقم (راس المال) ہے، نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا اور سب سے پہلے جو ربا ختم کیا جاتا ہے وہ عباس بن عبد المطلب کا ربا ہے، وہ پورا چھوڑ دیا گیا ہے۔"

نبی ﷺ کے اس اعلان سے معلوم ہوا کہ راس المال یا اصل زر سے زائد جو مشروط فائدہ مقروض سے وصول کیا جاتا ہے وہ کم ہو یا زیادہ، اور وہ کسی بھی نوعیت کا ہو مرکب ہو یا مفرد، ایک گنا ہو یا دس گنا یا اس سے کم و بیش وہ سب کا سب اس اعلان میں داخل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اصل زر لینے کی تو اجازت دی ہے اس سے زائد طے شدہ مال کو سود قرار دیکر ختم کر دیا اور اس کے لین دین کی ہمیشہ کیلئے ممانعت کر دی۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر "درِ منثور" میں اس آیت: ﴿فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ﴾ کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ یہ آیت عباس بن عبد المطلب اور بنی مغیرہ کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی یہ دونوں حضرات زمانۂ جاہلیت میں باہم شراکت کے ساتھ اپنا روپیہ بنو ثقیف کے لوگوں کو سود پر ادھار دیا کرتے تھے۔[1]

2- مشہور صحابی حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے ربا کی تعریف ان الفاظ میں منقول ہے:

(کل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا)[2]

"ہر وہ قرض جو نفع لے کر واپس آئے وہ سود کی شکلوں میں سے ایک شکل ہے۔"

3- حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے:

(مَنْ أَسْلَفَ سَلَفًا فَلَا يَشْتَرِطْ إِلَّا قَضَاءَهُ)[3]

---

[1] (السیوطی، الدر المنثور ۱/۳۶۶)
[2] (السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۳۵۰)
[3] (مؤطا امام مالک، حدیث: ۶۱۳)

"جس شخص نے کسی کو کوئی قرض دیا وہ اصل رقم کی ادائیگی کے علاوہ کوئی شرط نہ رکھے۔"

4- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

(مَنْ أَسْلَفَ سَلَفًا فَلَا يَشْتَرِطْ أَفْضَلَ مِنْهُ وَإِنْ كَانَتْ قَبْضَةً مِنْ عَلَفٍ فَهُوَ رِبًا)[1]

"جو شخص کسی کو کوئی قرض دے تو اس سے زیادہ ادائیگی کی شرط نہ رکھے، اگر وہ ایک مٹھی چارہ بھی ہوگا تو وہ بھی سود ہوگا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی منقول ہے، ایک شخص نے ان سے مسئلہ دریافت کیا کہ میں نے ایک شخص سے پانچ سو درہم قرض لیا ہے شرط یہ ہے کہ میں اسے استعمال کیلئے اپنا گھوڑا عاریتاً دونگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (ما اصاب منه فهو ربا) "وہ شخص اس گھوڑے سے جو فائدہ اٹھائے گا وہ ربا ہے۔"[2]

الغرض سود کی یہ تعریف ہر لحاظ سے واضح ہے۔ عربی لغت، جاہلی رسم و رواج اور احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دور میں بھی سود کی تعریف کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ ہمیشہ سے ربا کا مفہوم قرض پر کسی بھی قسم کا مالی یا غیر مالی فائدہ سود شمار ہوتا رہا ہے۔ یہی اس کی قانونی اور فقہی تعریف ہے۔ حتیٰ کہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (متوفی ٤٦٣ھ) نے اس تعریف پر اجماعِ امت نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

(وقد أجمع المسلمون نقلا عن نبيهم صلى الله عليه وسلم أن اشتراط الزيادة فى السلف ربا ولو كان قبضة من علف أو حبة)[3]

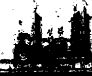
"تمام اہلِ اسلام نے اپنے نبی ﷺ سے نقل کرتے ہوئے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ قرض

---

[1] (مؤطا امام مالک، حدیث: ٦١٣)

[2] (السنن الکبری للبیہقی، ٣٥٠/٥)

[3] (التمھید لابن عبد البر، ٦٨/٤)



کے اصل زر پر اضافہ کی شرط لگانا سود ہے خواہ وہ ایک مٹھی چارہ یا ایک دانہ ہی کیوں نہ ہو۔"

علامہ ابن رشد رحمہ اللہ نے بھی بدایۃ المجتہد میں اس تعریف پر اجماع نقل کیا ہے۔[1] ربا النسیئہ، ربا الفضل، سود مفرد اور سود مرکب سب اس میں داخل ہیں، اس میں کبھی کسی کو کوئی شبہ نہ رہا، ماسوا اس شبہ کے جو کفار مکہ کو اور عصر حاضر کے اس نظام کے خالق لوگوں کو ہے۔ (انما البیع مثل الربا) (البقرۃ: ۲۷۵) "کہ بیع بھی تو سود کی طرح ہی ہے۔"

سودی نظام انسانیت کی اقتصادی ضرورت قطعاً نہیں ہے۔

اصلاً تو یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کا متبادل بیع کو قرار دیا ہے، اور یہی اسلام کے تجارتی اور اقتصادی نظام کی بہترین اور مستحکم بنیاد ہے، سود کی لعنت معرض وجود میں آنے سے قبل اسی پر کام چلتا تھا اور خوب چلتا تھا۔ اس پر مستزاد اہل علم یہودی پروپیگنڈے (Propaganda) کے جواب میں جدید دور کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر متعدد حل بھی پیش کر رہے ہیں، جو حقیقتاً احادیث میں بیع اور مرابحہ اور مشارکہ اور قراض و مضاربہ کی وضاحت پر مبنی ہیں۔ یہ سب کچھ پیش نظر رکھ کر بلا خوف و تردید کہا جا سکتا ہے کہ سودی نظام قطعاً انسان کی اقتصادی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ اس نظام کے علمبردار باور کرا رہے ہیں اگر فی الواقع یہ اقتصادی ضرورت ہو تو "ضرورت" کا سہارا تو اس وقت لیا جاتا ہے جب تمام دوسرے تجربات ناکام ہو جائیں، اور نظام نہ چل سکتا ہو۔ کیا ہمارے معاشرے یا ہماری حکومتوں نے تمام معاشی نظام آزما کر دیکھ لیے ہیں؟ بلکہ کوئی ایک تجربہ بھی غیر سودی نظام معیشت کا کیا ہے جو ناکام ہوا ہو؟ یا ہم صرف مغربی آقاؤں کے اشاروں اور احکام پر ان کی تجوریاں بھرنے کیلئے مسلم دنیا کو سود میں جکڑ کر غلام بنانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں، اور اس سے ہٹ کر ہونے والی ہر کوشش کو بہر حال ناکام کرنے اور کوشش کرنے والوں کو بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

---

(1) (۱۲۷/۲)

دنیا بھر کا رواج اور طریقہ کار یہی ہے کہ حکومتیں اپنے سیاسی، اقتصادی، معاشی اور اجتماعی مسائل کیلئے مختلف نظاموں کے تجربے کرتی ہیں۔ آئین بناتی اور حسب ضرورت واحوال ان میں ترامیم کرتی ہیں، کوئی نظام مسائل کے حل میں ناکام ہوجاتاہے توکسی دوسرے نظام کا تجربہ کرتی ہیں، آئین یااس کی کوئی شق مسائل حل کرنے میں ناکام ثابت ہوتے ہیں تو نیا آئین یا کوئی نئی ترمیم آئین میں شامل کرلی جاتی ہے، ہر مسئلے کا کوئی ناکوئی حل بالآخر نکل ہی آتاہے، اگر کسی مسئلہ کا کوئی حل بھی نہ مل سکے توصبر کرلیا جاتاہے۔ کیا اقتصادی اور معاشی نظام کے سلسلے میں ہم یہ راستہ اختیار کرکے دیکھ چکے ہیں؟۔ موجودہ یہودی اور جاہلیت کا تخلیق کردہ سودی نظام ہی ہمارے مالی مسائل کا واحد حل ہے؟ یااس نے ہمیں دیوالیہ کرکے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیاہے، اور ہم من حیث القوم زندگی کی رمق قائم رکھنے میں بھی ناکام ہوتے نظر آرہے ہیں۔ اس کے باوجود ہم اس نظام سے جان چھڑانے کیلئے آمادہ نظر نہیں آتے، اور اسلام کے بہترین اقتصادی نظام کا تجربہ کرنے کیلئے بھی تیار نہیں ہیں اور اگر کوئی اس کیلئے جدوجہد کرتاہے تو اسے راستے سے ہی ہٹادیتے ہیں اور اس جاری سودی نظام کیلئے اسلام میں رخصتیں تلاش کرکے اسے قابل قبول بنانے کی سعی نامشکور میں مشغول ہیں۔ ذاتی طورپر اہل علم نے خاصی محنت کی ہے اور اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان بھی اس بارے میں بہت سی سفارشات مرتب کرکے دے چکی ہے مگر کوئی حل قابل قبول نہیں ٹھہرا۔ ہمارے ایک سابق وزیر مذہبی امور بھی اسلام کے معاشی نظام کے نفاذ کیلئے اور سودی نظام سے وطن عزیز کو پاک کرنے کیلئے خاصے جذباتی تھے اور پورے اخلاص کے ساتھ مصروف عمل بھی رہے بالآخر مایوس ہوکر منہ لٹکائے وزارت کو خیر آباد کہہ کر واپس اپنے ٹھکانے پر آگئے تھے۔ اب وہ دنیا میں نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے۔

بنکوں کو صرف انہی علماء کی آراء اور اقتصادی مہارت قبول ہے جوان کے جاری نظام کو الفاظ واصطلاحات کی ملمع سازی کے ساتھ اسلام میں ان کیلئے حل تلاش کرسکتے ہوں۔ جہاں تک اس دعویٰ اور پروپیگنڈا کا تعلق ہے کہ اسلام میں بنکاری نظام کا کوئی متبادل نہیں ہے، یایہ کہ علماءِ کرام اس کا کوئی قابل قبول حل پیش کرنے سے قاصر ہیں، اس دعویٰ کے بے بنیاد ہونے کیلئے یہی دلیل کافی ہے کہ ایک طویل مدت تک خلافتِ اسلامیہ اور پھر صدیوں تک مسلم ریاستیں دنیا بھر میں سودی نظام کے

بغیر اپنا اقتصادی نظام پوری کامیابی کے ساتھ چلاتی رہی ہیں اور انہیں کبھی کسی مالی بحران کا سامنا نہیں کرنا پڑا، نہ امانتوں کی حفاظت کے سلسلے میں، نہ گردشِ دولت اور باہمی لین دین میں اور نہ بیع و تجارت اور صنعتی میدان میں، اور ہر زمانے میں یہ تمام مالیاتی سلسلے کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ جاری رہے ہیں۔ بالخصوص خلافتِ اسلامیہ کے عروج کے زمانے میں جب مسلمان پوری دنیا کی ہر میدان میں قیادت وسیادت کررہے تھے، اس وقت بھی اسلامی اقتصادیات پر عمل پیرا تھے، نہ کہیں سود تھا، نہ جوا اور نہ استحصال اور استغلال، اور اسلامی حکومت کے قلمرو کا دائرہ بھی کئی براعظموں کو محیط تھا، نہ صرف یہ کہ یہ نظم پوری کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا بلکہ ایسی مثالی فروانی تھی جو آج کی ترقی یافتہ قوموں کو بھی میسر نہیں ہے، اور یہ سب برکتیں تھیں زمانۂ جاہلیت کے سودی نظام کو مسترد کرنے اور اسلامی معاشرے کو اس سے کلی طور پر پاک کرنے کی۔ فرمایا:

﴿ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَوٰا وَيُرْبِي الصَّدَقَـٰتِ ﴾ (البقرۃ:۲۷۶)

"اللہ سود کو مٹاتا اور صدقوں کو بڑھاتا ہے۔"

فقراء ومساکین اور بے سہارا محتاجوں کیلئے انشورنس اور تکافل کے نام پر قمار اور جوئے کے جواز کیلئے حیلہ سازیوں کی بجائے اسلامی بیت المال اور زکوۃ کا نظام کیوں متعارف نہیں کرایا جاتا۔؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر اسے قائم رکھنے کیلئے جنگ لڑنے سے بھی گریز نہیں کیا۔

اسلامی نظامِ اقتصاد کی برکتوں کے نمونے :

صحیح بخاری شریف کے حوالے سے اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ عہد نبوی میں یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ "جو شخص ترکہ چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کیلئے ہے اور جو قرض چھوڑ کر مرے وہ ہمارے ذمہ ہے۔"

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن کے صدقات جمع کرنے کیلئے عامل مقرر تھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں وہاں کے بچے ہوئے ایک تہائی صدقات بیت المال میں جمع کرانے کیلئے بھیجے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں و ل کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

(إني لم أبعثك جابياً ولا آخذ جزية، ولكن بعثتك لتأخذ من أغنياء الناس فتردها على فقرائهم)

"میں نے تمہیں خراج اکٹھا کرنے یا جزیہ وصول کرنے کیلئے نہیں بھیجا، بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ وہاں کے (مسلمان) اغنیاء سے (زکوٰۃ و صدقات وغیرہ) وصول کر کے انہیں کے فقراء کو لوٹا دو۔" تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: (ما بعثت إليك بشيء وأنا أجد أحداً يأخذه مني) "میں نے ابھی کوئی چیز آپ کی طرف نہیں بھیجی جب تک یہاں کوئی شخص مجھے یہاں ملا ہو۔"

اس سے اگلے سال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جب یمن کے نصف صدقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیت المال کے لیے اس سال بھیجے تو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے پھر اپنی وہی بات دہرائی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جواب دیا۔ تیسرے سال جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وہاں سے وصول ہونے والے تمام صدقات مرکزی حکومت کو ارسال کئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی بات کہی کہ میں نے تمہیں خراج وصول کرنے کیلئے نہیں بھیجا، تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(ما وجدت أحداً يأخذ مني شيئاً) [1]

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے عہدِ خلافت میں بھی ایسا ہی ہوا، انہوں نے عراق میں اپنی طرف سے مقرر "والی" کو لکھا:

(أخرج للناس عطياتهم)

"لوگوں کو ان کے مقررہ وظیفے دیدو۔"

تو اس نے جواب میں لکھا میں نے سب کو ان کے مقررہ وظائف دیدیے ہیں اس کے بعد بھی

---

[1] (کتاب الأموال لأبي عبيد، ص: ۷۱)

بیت المال میں صدقات کا مال باقی ہے، تو عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اس لکھا:

(انظر كل من اداں في غير سفه ولا سرف فاقض عنه)

"دیکھو جس شخص نے بھی بے وقوفی اور فضول خرچی کے بغیر (مجبوراً) قرضہ لیا ہو اس کی طرف سے قرض ادا کر دو۔"

تو عاملِ عراق نے جواب میں لکھا کہ ایسا بھی کر چکا ہوں۔ لوگوں کے قرض ادا کرنے کے بعد بھی بیت المال میں زائد مال موجود ہے۔

تو خلیفۃ المسلمین نے انہیں لکھا:

(انظر كل بكر ليس له مال فشاء أن تزوج فزوجه وأصدق عنه)

"دیکھو کوئی بھی غیر شادی شدہ یہ چاہتا ہو کہ آپ اس کی شادی کر دیں، تو اس کی شادی کرا دو اور بیت المال سے اس کا مہر ادا کر دو۔"

تو اس نے جواب دیا یہ بھی کر چکا ہوں مال پھر بھی بچ گیا ہے۔

تو خلیفۃ المسلمین نے فرمایا:

(انظر من كانت عليه جزية فضعف عن أرضه فأسلفه ما يقوى به على عمل أرضه، فانا لا نريدهم لعام ولا لعامين)

"اگر کوئی جزیہ دینے والا اپنی زمین کی آمدن سے جزیہ دینے کے قابل نہیں ہے تو اس کو قرض دیدو جس سے وہ اپنی زمین کا کاروبار چلا سکے، ہم ان سے سال دو سال تک نہیں مانگیں گے۔"(1)

جب بیت المال کے جمع شدہ اموال کا کوئی مصرف نہ ملا تو پھر خلیفۂ خامس حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اس مال سے غلام خرید کر آزاد کر دیئے۔

---

(1) (کتاب الأموال لأبی عبید، ص: ۷۱)

یہ افسانے نہیں تاریخی حقائق ہیں۔

ایک طرف مال کی یہ فراوانی اور دوسری طرف سرکاری اور نجی اخراجات میں دانشمندانہ تصرفات اس پر مستزاد لوگوں کا استغنا اور سیر چشمی کہ حکومت کی طرف سے ملنے کے باوجود کوئی لینے کو تیار نہیں ہے، اور یہ سود کی لعنت سے بچنے کا نتیجہ تھا۔

قرآن کریم پر ایک اور نظر:

مذکورہ بالا تاریخی حقائق اور واقعاتی صورتِ حال کے علاوہ قرآن کریم اور سنتِ نبویہ پر ایمان داری کے ساتھ غور کریں، تو بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ربا اور ربوی معاملات اور سودی نظام انسان کی اقتصادی ضرورت قطعاً نہیں ہے۔

کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ میں کوئی ایک حوالہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ حاجت یا ضرورت کے وقت انسان مجبوراً ربوی نظام سے کلی یا جزوی استفادہ کر سکتا ہے، یا کبھی اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے بلکہ دوٹوک الفاظ میں اس کے متعلق یہی کہا گیا ہے کہ:

"سود اور اس کے بقایاجات کو مکمل طور پر چھوڑ دو، یا پھر اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ سن رکھو۔"

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اضطرار اور مجبوری کے وقت دائمی محرمات کے وقتی جواز کا ذکر کیا ہے، اور ان میں سے بدترین محرمات کو بھی ضرورت اور مجبوری کے وقت کام میں لانے اور زندگی کی رمق قائم رکھنے کیلئے حسبِ ضرورت کھانے کی اجازت دی ہے۔ قاتل بھوک کی حالت میں بھی جو شخص اس جواز سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے بغاوت نہ کرے اور حدود سے تجاوز نہ کرے تو اسے گناہ نہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (البقرة: ۱۷۳)

"اس نے تم پر صرف مردار اور خون (بہتا ہوا) اور خنزیر کا گوشت اور جس کو غیر اللہ کے نام پر پکارا گیا ہو حرام کیا ہے۔ تو جو شخص مجبوری کی حالت میں (انہیں کھالے) بغاوت کرنے والا اور حد سے گذرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ یقیناً اللہ

معاف کرنے، رحم فرمانے والا ہے۔"

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وَٱلْمُنْخَنِقَةُ وَٱلْمَوْقُوذَةُ وَٱلْمُتَرَدِّيَةُ وَٱلنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ ٱلسَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى ٱلنُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا۟ بِٱلْأَزْلَٰمِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ﴾ (المائدۃ:۳)

"تم پر مردار اور خون (بہتا ہوا) اور خنزیر کا گوشت اور جس چیز کو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر پکارا گیا ہو اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے، اور جو چوٹ لگ کر مر جائے، اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے، یہ سب حرام کیے گئے ہیں، اور وہ جانور بھی جسے درندے کھائیں، مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو اور وہ جانور بھی جو تھانوں (وہ مقامات جہاں غیر اللہ کے نام پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہوں) پر ذبح کیا گیا ہو، اور یہ بھی (حرام کیا گیا ہے) کہ تم پانسوں (تیروں) کے ساتھ قسمت معلوم کرو، یہ سب گناہ کے کام ہیں۔"

اور اس آیت کے آخر میں اضطراری حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِى مَآ أُوحِىَ إِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ۚ فَمَنِ ٱضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤٥﴾ ﴾ (الأنعام:۱۴۵)

"کہہ دیجئے! مجھ پر جو وحی نازل کی گئی ہے میں اس میں کھانے والا جو کچھ کھاتا ہے اس پر کسی چیز کو حرام نہیں پاتا ماسوائے اس کے کہ مردار ہو یا (ذبح کے وقت بہتا ہوا) خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، سو یہ ناپاک ہیں، یا کوئی گناہ کی چیز ہو جس پر اللہ کے علاوہ کسی کا نام لیا گیا ہو، پھر جو شخص مجبور ہو جائے، بغاوت کرنے والا اور حد سے گذرنے والا نہ ہو تو اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔"

ان آیات مبارکہ میں سب سے بدترین حرام (أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ) "جس پر غیر اللہ کا

نام لیا گیا ہو" کے اضطراری حالت میں حسب ضرورت جواز کا ذکر کر دیا گیا ہے، مگر کہیں بھی کتاب وسنت میں سود کو اضطراری حالت میں جائز قرار دینے کا ذکر نہیں ملتا۔ جس کا واضح مطلب ہے کہ سود انسانیت کی بالخصوص مسلمانوں کی اقتصادی ضرورت کبھی نہیں رہی اور نہ ہی کبھی ہو گی، ورنہ اللہ تعالیٰ اس کا ذکر بھی ان استثنائی صورتِ حال میں ضرور فرما دیتے۔

جاہلیت کے زمانے میں رائج سودی نظام کا تو نبی اکرم ﷺ نے بڑے سلیقے سے خاتمہ کر دیا تھا۔ صرف سود کی حد تک نہیں بلکہ پورے غیر اسلامی نظام زندگی کی بنیادیں ہلا دی تھیں، اور اسلامی نظام زندگی ایک زندہ وجاوید اور قابل عمل دستورِ حیات کی حیثیت سے روبعمل ہو گیا تھا۔

پھر ایک مدت بعد اسلامی ثقافت پر حملوں کا آغاز ہوا تو اسلام کے مالی نظام کو بھی دیگر احکام کی طرح نشانہ بنایا گیا جس کی مشق تا حال جاری ہے، کہ یہ نظام تعمیر وترقی اور عالمی صنعتی دوڑ میں ضروریات پوری کرنے کے قابل نہیں ہے۔ یہ صرف مخصوص حالات میں قابل عمل تھا، احوالِ زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا، تجارتی وصنعتی مسابقت کے جدید دور میں جدید مالی نظام کو اپنائے بغیر زندگی کا پہیہ حرکت نہیں کر سکتا وغیرہ وغیرہ۔

مالی مصارف کا یہ سودی نظام قدیم زمانے میں بابلی اور یونانی ماہرین نے متعارف کرایا تھا، قرونِ وسطیٰ کے آخر میں جدید صنعتی انقلاب سے قبل یورپ میں اس نے رواج پکڑا، پھر بالخصوص اٹلی کے راستے یورپ اور سرمایہ دارانہ راج کے حامل ممالک میں پھیل گیا، خاص طور پر اٹھارھویں صدی کے آخر میں تمام آسمانی تعلیمات کو نظر انداز کرتے ہوئے بینکنگ کا نیا نظام صنعتی ضرورت قرار دیکر اقتصادی ترقی کا لازمی حصہ بنا دیا گیا۔ اب دنیا اس نظام میں اس حد تک جکڑ دی گئی ہے کہ اسے قومی اور بین الاقوامی سطح پر اس کے بغیر گذارا ممکن ہی نظر نہیں آتا۔

در حقیقت یہ ایک استحصالی نظام ہے جس کے ذریعے دنیا کی چند بڑی قوتیں تمام مالی وسائل پر قابض ہو چکی ہیں۔ سرمایہ دارانہ مالی نظام کی اساس فرد کی غیر محدود اور جائز وناجائز کی تفریق کے بغیر ذاتی ملکیت ہے، اور اسکا ذریعہ یہ سودی نظام ہے۔ یہ نظام غریب کی ضرورت کبھی نہیں رہا اور نہ کبھی اس نظام نے کسی محتاج طبقے کو کوئی سہولت فراہم کی ہے۔ ہمارے ماحول میں غور کر کے دیکھ لیں یہ فقراء ومساکین اور ضرورت مندوں کی ضروریات کا کفیل نہیں بلکہ مل مالکان، کارخانہ داران اور

قومی سطح پر استحصالی طبقے کی ضرورت ہے، جو ملک کی تمام دولت پر قابض ہونا چاہتے ہیں، اور غریب کے منہ سے نوالہ بھی چھین لینا چاہتے ہیں۔

اسلامی بینکاری :

گذشتہ چند سالوں سے پوری دنیا میں بالعموم اور عالم اسلام میں بالخصوص اسلامی بیداری کی ہوا چلی ہے، اور امتِ مسلمہ اپنی پستی کے اسباب پر غور کرنے لگی ہے، اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت کی بحالی کیلئے زعماء ہاتھ پاؤں مارنے لگے ہیں۔ شعور کی آنکھ کھلی تو امت کے زوال میں سودی نظام کے کردار کا جائزہ بھی لیا گیا۔ بالخصوص عالمی مالیاتی اداروں نے جو پس ماندہ ممالک میں اس استحصالی نظام کے ذریعے اودھم مچار کھا ہے، اور غریب کے منہ سے نوالہ چھین کر اسے تڑپنے پر مجبور کر دیا ہے، اس صورتِ حال کی وجہ سے سود سے نفرت بڑھی اور اس کے خلاف آواز بلند ہوئی تو فوراً اسلامی بنکاری کا فلسفہ معرض وجود میں آگیا۔ مرحوم صدر ضیاء الحق کے دور حکومت میں روایتی بنکوں میں ایک غیر سودی کھاتہ PLS کے نام سے متعارف کرایا گیا، اور باور یہ کرایا گیا کہ یہ نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر غیر سودی کھاتہ ہے۔ حلال روزی کا اہتمام کرنے والے نیک دل لوگ اپنی سادگی کی وجہ سے اس کی طرف لپکے، حتیٰ کہ بعض دینی اداروں اور اسلامی مدارس نے بھی اپنے حسابات اس کھاتے میں کھلوائے۔ پھر جب حقیقتِ حال معلوم ہوئی تو لوگ اس سے پیچھے ہٹ گئے۔ اب ایک مدت سے اسلامی بنکاری کا چرچہ ہے، اس کی بنیادیں اسلام میں تلاش کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ ان کوششوں کی حقیقت جاننے کیلئے درج ذیل چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں کہ ان بنیادوں کی حقیقت کیا ہے۔؟ اور یہ بنیادیں کس قدر بے بنیاد ہیں۔!

"اسلامی بنکاری کی بنیادیں" کے مؤلف محترم مولانا محمد تقی عثمانی، ان بنیادوں کو اپنی درج ذیل تحریر میں بے بنیاد ثابت کر رہے ہیں۔ اپنی اس کتاب کے ایک عنوان "چند بنیادی نکات" کے ذیل میں رقمطراز ہیں:

"یہ اسلامی ادارے ابھی بچپن کی عمر سے گذر رہے ہیں، انہیں بہت ساری مجبوریوں کے اندر کام کرنا ہوتا ہے۔ اس لیئے ان میں سے بعض تو اپنے تمام معاہدوں میں شریعت کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل نہیں ہوئے۔ اس لئے ان میں طے پانے والے ہر ہر معاہدے اور معاملے کو

شریعت کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔" (ص:۲۳)

سوال یہ ہے کہ اگر ان معاملات اور معاہدوں کو شریعت کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا چہ جائے کہ وہ خالص اسلامی ہوں تو پھر ان پر مبنی بینک کاری نظام کا نام اسلامی بینک کاری کیسے قرار پایا؟

"تیسری بات یہ ہے کہ اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کو عموماً متعلقہ ملکوں کی حکومتوں، ٹیکسوں اور قانون کے نظام اور مرکزی بینکوں کا تعاون حاصل نہیں ہوتا ایسی صورتحال میں انہیں حاجت یا ضرورت کی بنیاد پر بعض خاص رعایتیں اور رخصتیں دی جاتی ہیں، جو شریعت کے اصل اور مثالی قواعد پر مبنی نہیں ہوتیں۔" (ص:۲٤)

اولاً تو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ اضطراری حالت میں بھی سود کی گنجائش اسلام میں نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی آیات سے واضح کیا جاچکا ہے۔

ثانیاً یہ رعایتیں اور رخصتیں دینے کا اختیار، مؤلف موصوف کو کس نے دیا؟ موصوف احکام شریعت کے شارح ہیں یا شارع یعنی اہلِ علم کا منصب شریعت کی وضاحت اور بیان ہے یا شریعت سازی۔ اس نوعیت کے مادر پدر آزاد اجتہاد کی اسلام میں تو قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ یہ ملاازم اور پاپائیت تو ہو سکتے ہیں اسلام نہیں ہے۔

آگے چل کے لکھتے ہیں: "ان (رخصتوں) کا بڑا مقصد نسبتاً کم قابل ترجیح راہِ عمل اختیار کر کے کھلم کھلا حرام سے بچنا ہے۔ اس سے اگرچہ صحیح اسلامی نظام قائم کرنے کے بنیادی مقصد میں زیادہ مدد نہیں ملے گی لیکن یہ راہِ عمل صریح حرام سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے انجام بد سے محفوظ رہنے میں ضرور مددگار ہوگی۔" (ص:۲۵)

اس کا مطلب واضح ہے کہ اسلامی بینک کاری "غیر صریح حرام" پر مبنی ہے۔ حرام کی یہ تقسیم -- صریح حرام اور غیر صریح حرام -- فقہ واجتہاد کے باب میں ایک عدیم المثال اضافہ ہے۔!!

اس کتاب کے آخر میں -- جسے موصوف نے اسلامی مالیاتی نظام کے لیئے ایک راہنما کتاب قرار دیا ہے -- ایک فصل میں اسلامی بینکوں کی کارکردگی -- ایک حقیقت پسندانہ جائزہ -- کے عنوان سے جو حقائق بیان کیئے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صرف روایتی سودی بینک کاری کو اسلامی لبادہ پہنا کر مسلمانوں کیلئے قابل قبول بنانے کی کوشش کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

کتاب کے طویل سفر میں مؤلف نے جو بنیادیں، اسلامی بنکاری کے لیئے استوار کی ہیں، وہ آخری فصل میں پہنچ کر خود اپنے ہاتھوں سے مسمار کردی ہیں، حقائق بہر حال حقائق ہوتے ہیں جو بالآخر اپنا آپ منوا کر رہتے ہیں۔

بیع عینہ کی حرمت مالی امور میں حیلہ سازی کے خلاف واضح حجت ہے، لفظی و عملی داؤ پیچ سے حرام کو حلال نہیں کیا جاسکتا، انسانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا۔

﴿ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾ ﴾ (الأنعام:۱۴۹)

"کہہ دو کہ اللہ ہی کی حجت غالب ہے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔"

اسلامی بینکاری کی درج بالا صورتِ حال میں نبوی تعلیمات کی روشنی میں ہمیں کونسا راستہ اختیار کرنا چاہیے اس کیلیے درج ذیل نبوی تعلیمات بہترین راہنما ہیں۔

جب حلال و حرام مشتبہ ہو:

1۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: (الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ)[1]

"حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے مابین مشتبہات ہیں۔"

2۔ اسی طرح نبی مکرم ﷺ کا دوسرا فرمان ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

(لَا يَدْرِي كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ أَمِنَ الْحَلَالِ هِيَ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ)[2]

"بہت سے لوگوں کو یہ علم ہی نہیں ہے کہ یہ (شبہ والی چیز) حلال میں سے ہے یا حرام میں سے۔"

ایسی صورت حال میں ہر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ شبہات میں پڑنے کی بجائے یقین اور واضح صورت کو اختیار کرے، کسی بھی معاملے میں شریعت نے شک پر فیصلے کو پسند نہیں کیا بلکہ ہمیشہ شک

---

[1] (بخاری، کتاب الیمان، باب فضل من استبرأ لدینہ)

[2] (ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی ترک الشبہات، ج ۲، ص: ۱۱۵، حیاء التراث)

اور شبہ کو ترک کرکے یقینی صورت پر عمل کا حکم دیا۔

3۔ رحمت عالم ﷺ کا فرمان ہے: (فَمَنِ اتَّقَى الْمُشْتَبِهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ) (1)

"جو شخص شبہ والی چیزوں سے بچا اس نے اپنا دین اور اپنی آبرو محفوظ کرلی۔"

اس حدیث پاک سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جو شخص شبہ والی چیزوں سے نہیں بچا اس کا دین بھی غیر محفوظ ہے اور عزت و آبرو بھی غیر محفوظ ہے۔ پھر فرمایا:

4۔ (وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ) (2)

"جو شبہ والی چیزوں میں پڑا وہ حرام ہی میں جا پڑا۔"

5۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ) (3)

"اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالنے والی ہے اور اس چیز کو اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہیں ڈالتی (اس کی حالت یقینی ہو)۔"

لہذا جب تک اسلامی بینک واضح کوتاہیوں اور غلطیوں سے نہیں نکلتے اور فقہ حنفی یا ہم عصر حنفی فقہاء کی حیلہ سازیوں سے بیزاری کا اظہار نہیں کرتے، ہمیں عامۃ المسلمین کو یہ نصیحت کرنی چاہیے کہ ان سے دور رہیں۔ راستہ ایک ہی ہے، سودی نظام کو یکسر خیر آباد کہہ کر اسلامی نظام معیشت کو من و عن قبول کرلیا جائے، سودی نظام کی باقیات بھی قابل قبول نہیں ہیں۔

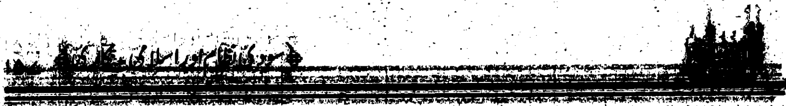
﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ ﴾

---

(1) (بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ، و مسلم وغیرھا)

(2) (بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ، و مسلم وغیرھا)

(3) (بخاری، کتاب البیوع، باب تفسیر الشبہات)



(البقرۃ:۲۷۸–۲۷۹)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلانِ جنگ سن لو اور اگر تم نے توبہ کرلی تو تمہارے اصل مال تمہارے لیے ہیں، نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔"

عزیمت کا راستہ:

اس سلیم فکر اور واضح نقطۂ نظر اور صاف، شفاف موقف کی وجہ سے ہمیں:

تنگ نظری، کم علمی، رجعت پسندی، قدامت پرستی، قلتِ تفقہ، معاشرتی ضروریات اور حالات سے عدم واقفیت، جدید مسائل کے حل کرنے کی صلاحیت سے محرومی وغیرہ کے طعنوں سے تو سابقہ پڑ سکتا ہے، مگر یہ طعن و ملامت باعثِ ننگ و عار نہیں بلکہ عزت و وقار اور تمغۂ افتخار ہے۔ اور یہی مخلص اہلِ ایمان کا طرۂ امتیاز ہے، انہیں برداشت کرنا انبیاء کرام اور ان کے رفقاء کی سنت ہے، یہ طعنہ حضرت نوح علیہ السلام کو بھی دیا گیا تھا۔

﴿مَا نَرَىٰكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَىٰكَ ٱتَّبَعَكَ إِلَّا ٱلَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِىَ ٱلرَّأْىِ﴾ (ھود:۲۷)

"ہم تم کو اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں سے ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی ظاہری سوچ سے (نہ غور و تحقیق سے)۔"

حضرت شعیب علیہ السلام سے بھی یہی کہا گیا تھا:

﴿أَصَلَوٰتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَآ أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِىٓ أَمْوَٰلِنَا مَا نَشَـٰٓؤُا۟ ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ ٱلْحَلِيمُ ٱلرَّشِيدُ ﴿٨٧﴾﴾ (ھود:۸۷)

"کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم ان کو ترک کردیں یا اپنے مال میں جو تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔"

اصحابِ رسول ﷺ کے بارے میں بھی یہی کہا گیا تھا:

﴿ أَنُؤْمِنُ كَمَآ ءَامَنَ ٱلسُّفَهَآءُ ۗ أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ ٱلسُّفَهَآءُ وَلَـٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴾

"بھلا جس طرح بے وقوف ایمان لے آئے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لے آئیں، سن لو کہ یہی لوگ بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔"

ہمارا تعلق صحابہ وتابعین اور محدثین کرام کی اس جماعتِ حقہ سے ہے جو معاشرے کو اسلامی تعلیمات وہدایات میں ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور انہوں نے کبھی نصوصِ شریعت کو معاشرے کی ضرورت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش نہیں کی، اس فکر وعمل کے نتیجہ میں شاہی درباروں اور حکومتی حلقوں میں باریابی، عہدوں اور مناصب تک رسائی، عوامی حلقوں میں مقبولیت، بزعم خویش تعلیم یافتہ طبقہ میں احترام، اور اہل ثروت کے ہاں پذیرائی سے تو محروم ہونا پڑتا ہے مگر دربارِ الٰہی میں رسائی آسان ہوجاتی ہے۔

﴿ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴾

"وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑی کشائش والا، جاننے والا ہے۔" اور یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى ٱللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ ٱلْعُلَمَـٰٓؤُا۟ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾ ﴾ (فاطر:۲۸)

"اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں بے شک اللہ غالب، بخشنے والا ہے۔"

تعمیرِ انسانیت، اصلاحِ معاشرہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا یہی صحیح وسالم طریقہ کار ہے، اور یہی طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ کا فرض منصبی ہے۔

"وللناس فيما يعشقون مذاهب" اور علماء حق اور علماء سوء کے مابین، یہی مابہ الامتیاز وصف ہے۔ علماء حق معاشرے کے امام اور پیشوا ہوتے ہیں، جبکہ علماء سوء خواہشاتِ نفس کے پجاری اور عوام کالانعام کے مقتدی ہوتے ہیں۔

﴿ ثُمَّ أَوْرَثْنَا ٱلْكِتَـٰبَ ٱلَّذِينَ ٱصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِۦ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِٱلْخَيْرَٰتِ بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَضْلُ ٱلْكَبِيرُ ﴾

”پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں، یہی بڑا فضل ہے۔“

اسوۂ رسول اور منہج نبوی کے علمبردار، مسلکِ سلف صالحین کے دعویدار اہلحدیث کے اہل علم ہی "سابق بالخیرات" ہیں اور ان شاء اللہ رہیں گے۔ عزیمت کا راستہ اختیار کرنے کی امید انہیں سے رکھی جاسکتی ہے، اور استقامت کی توقع انہیں سے وابستہ کی جاسکتی ہے۔ وباللہ التوفیق ومنہ السداد۔

ہماری نسبت اس پاکباز گروہ سے ہے جو عزیمتوں کا داعی ہے، رخصتوں کا متلاشی نہیں، شبہات کا جواب دیتا، اور ان سے کلی اجتناب کرتا ہے، نصوص کتاب وسنت پر عمل کرتا ہے، حیلہ ومکر وفریب کاری کے ساتھ ان سے راہِ فرار اختیار نہیں کرتا۔

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٥١﴾ (النور:۵۱)

”مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾

”اے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کر دیجیو اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما تو تو بڑا عطا کرنے والا ہے۔“

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

ذرا سوچیں کہ کہیں ہم ان گناہوں میں مبتلا تو نہیں!

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ وَأَعُوذُ بِاللهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ ✱ حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمَئُونَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللهِ وَعَهْدَ رَسُولِهِ إِلَّا سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ فَأَخَذُوا بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ إِلَّا جَعَلَ اللهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ.

ترجمہ:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے جماعت مہاجرین! پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو جاؤ اور میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تم ان چیزوں میں مبتلا ہو۔ ✱ جس قوم میں فحاشی اعلانیہ ہونے لگے تو اس میں طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہ تھیں۔ ✱ اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو وہ قحط، مصائب اور بادشاہوں (حکمرانوں) کے ظلم وستم میں مبتلا کر دی جاتی ہے۔ ✱ اور جب کوئی قوم اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیتی تو بارش روک دی جاتی ہے اور اگر چوپائے نہ ہوں تو ان پر کبھی بھی بارش نہ برسے ✱ اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے عہد کو توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ غیروں کو ان پر مسلط فرما دیتا ہے جو اس قوم سے عداوت رکھتے ہیں پھر وہ انکے اموال چھین لیتے ہیں ✱ اور جب مسلمان حکمران کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ نظام میں (مرضی کے کچھ احکام) اختیار کر لیتے ہیں (اور باقی چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو خانہ جنگی اور) باہمی اختلافات میں مبتلا فرما دیتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الفتن)۔ طالب دعا: اللہ کا ایک بندہ

Quarterly Al Bayan karachi
Aug - Oct 2011, Ramadan-Zul Qa'da 1432